خواتین

اور

دین کی خدمت

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مکتبۂ اسلام
گوئن روڈ
لکھنؤ

خواتین اور دین کی خدمت

از

مولانا ابوالحسن علی ندوی

ناشر

مکتبہ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ

ناشر ——— مکتبۂ اسلام گوئن روڈ لکھنؤ

قیمت ———

کتابت ——— شبیر احمد کاکوری

مطبوعہ ——— نظامی پریس لکھنؤ

فہرست مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

مولانا محمد رابع صاحب ندوی

اللہ تعالیٰ نے مردوں اور عورتوں کی ذمہ داریاں کچھ تو مشترک رکھی ہیں۔ اور کچھ علیحدہ علیحدہ، اسی لئے قرآن مجید میں کہیں تو ایک سے خطاب، دونوں کے لئے آیا ہے اور کہیں دونوں کو علیحدہ علیحدہ مخاطب کیا گیا ہے۔ اور علیحدہ علیحدہ تذکرہ کیا گیا ہے۔

مردوں کو چونکہ قوام بنایا گیا ہے، اسی لیے ان کی ذمہ داریاں زیادہ رکھی گئی ہیں، ان کو وسیع دائرہ میں فرائض انجام دینا ہوتے ہیں اسی لئے جب دونوں جنس کے لوگوں کو مشترک ذمہ داریوں کے سلسلہ میں مخاطب کیا گیا ہے، تو مردوں کے صیغے کو ہی اختیار کیا گیا ہے، جس میں عورتیں بھی شامل رکھی گئی ہیں۔

عورتوں کی جو مخصوص ذمہ داریاں ہیں۔ اور ان میں مردوں کی شرکت نہیں ہے وہ اپنی جگہ بہت اہمیت رکھتی ہیں، ان کو نظر انداز کر دینا نہ صرف عورتوں کے ساتھ بلکہ تمام انسانوں کے ساتھ زیادتی ہے کیونکہ انسانیت دونوں جنسوں کے تعاون اور خدمت و عمل سے قائم ہے ایک جنس کے نظر انداز ہو جانے سے صرف اسی کو ہی نقصان نہیں

پہونچتا، بلکہ دونوں کو پہنچتا ہے۔

موجودہ تمدن نے ایسی انسانی مساوات کی دعوت دی ہے جس میں انسانوں کے قدرتی اور اختیاری دونوں فرق و اختلاف کو نظر انداز کیا گیا ہے چنانچہ اس فرق و اختلاف کے اثر سے جو اچھے اور مفید نتیجے سامنے آ سکتے ہیں، وہ نہیں حاصل ہوتے،

مغربی تمدن میں عورت کو وہ کام بھی کرنے پڑتے ہیں، جو مردوں کی صلاحیتوں کے ساتھ اصلاً مخصوص ہیں، اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ عورت اپنے ان کاموں میں کوتاہ رہتی ہے جو اس کے ساتھ مخصوص ہیں۔ لہذا وہاں کے معاشرہ میں ناقابل بیان نقائص پیدا ہو گئے ہیں، اور خاندانی شیرازہ بکھر گیا ہے، مرد و عورت کے تعلقات میں بے ضابطگی اور تاجرانہ انداز کا غلبہ ہو گیا ہے، اور جب یہ دونوں زندگی کی ذمہ داریوں میں بالکل یکساں کر دیئے گئے ہیں تو پھر کیوں کوئی اپنی اپنی مخصوص ذمہ داری کو انجام دے، جب دونوں بالکل برابر ہیں تو اختلاف کی صورت میں کس کی بات غالب رہے، گھر کی اندرونی زندگی میں کون بڑا ہو، اور کون چھوٹا، کون مجموعی ذمہ داریوں کا حامل ہو، اور کون خصوصی ذمہ داریوں کا۔

مغربی تمدن کے لائے ہوئے نظریات نے عورت و مرد کے مابین تعلقات اور تقسیم عمل کو نہ صرف ابتری میں ڈالا، بلکہ ایسے مسائل کھڑے کر دیئے جن کا حل نہ مغربی تمدن نے نکالا، اور نہ وہ بگڑی ہوئی صورت حال کو بنا سکا، اور نہ ہی اس بگاڑ کی وجہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہے۔

ضرورت ہے کہ مغربی افکار کے حاملین کو ان نقائص کیطرف متوجہ کیا جائے، ان سے ایسے اسلوب اور زبان میں بات کی جائے، جو انکے ذہنوں میں اتر جائے اور اسی طرح مردوں اور عورتوں کی مشترک اور علیحدہ علیحدہ ذمہ داریوں کی علیحدہ علیحدہ نشاندہی کیجائے، یہ کام سب سے بہتر طریقہ سے وہی لوگ کر سکتے ہیں جنھوں نے مغربی تمدن کی وضع قطع اور افکار کو بھی سمجھا ہو، اور اسلامی تعلیمات سے بھی کما حقہ واقف ہوں۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہ جنھوں نے مغربی تمدن کے مرکزوں کا بار بار دورہ کیا ہے اور وہاں اس کے ماحول میں کھڑے ہو کر اس کی کمزوریوں کی نشاندہی کی ہے اور ان کی بات توجہ سے سنی گئی ہے، اس موضوع پر سب سے زیادہ مفید بات بتا سکتے ہیں اور نشاندہی کر سکتے ہیں، عالم اسلام کی بعض جامعات اور مختلف اداروں میں مولانا نے عورتوں سے خطاب فرمایا، جو انکی فکری اور عملی رہنمائی کے اعتبار سے بہت مفید اور مؤثر خطاب تھے،

خوش قسمتی کی بات ہے کہ ان میں سے متعدد خطابات کو ٹیپ ریکارڈ کی مدد سے قلم بند کر لیا گیا، جن کو مولوی سید محمد حمزہ حسنی ندوی ایک مجموعہ کی شکل میں پیش کر رہے ہیں، یہ کام لائق صد مبارکباد ہے، امید ہے کہ اس سے خواتین زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھائینگی اور مردوں کو بھی عورتوں کی صحیح ذمہ داریوں سے واقفیت ہوگی۔

اللہ تعالیٰ اس کوشش کو قبول فرمائے، اور کوشش کرنے والوں کو بہتر سے بہتر اجر عطا فرمائے۔ آمین۔

محمد رابع ندوی

دائرہ شاہ علم اللہ رح۔ رائے بریلی

۲۳ رمضان المبارک سنہ ۱۴۰۱ھ

خواتین کی خدمت میں چند باتیں

۱۹ر جون ۱۹۷۷ء کو مسلم کمیونٹی سنٹر شکاگو (امریکہ) میں خواتین کے سمینار میں خطاب

اسلامی معاشرت

خواتین اور برادران! میں اس عزت افزائی کے لئے بہت شکرگذار ہوں کہ آپ نے مجھے اس مجلس میں یاد کیا، اور ایک اہم اور نازک موضوع پر جو پوری زندگی سے تعلق رکھتا ہے، اظہار خیال کا موقع دیا، میں اس کیلئے بھی شکر گذار ہوں کہ آپ نے میری خاطر اس پروگرام میں ترمیم گوارا کرلی، یہ آپ کی شرافت اور خوش اخلاقی ہے، میں قرآن مجید کی ایک آیت پڑھوں گا، اور بتاؤں گا کہ اسلام معاشرت کو کس نگاہ سے دیکھتا ہے اور اس کا تصور کیا ہے اور وہ

اس بارے میں کتنا حقیقت پسند واقع ہوا ہے۔

یہ آیت سورۂ نساء کی ہے، سورۂ نساء کا نام ہی اس بات کی دلیل ہے کہ اسلام نے طبقۂ اناث کو اور جنس لطیف کو کیا مقام دیا ہے، سورۂ نساء کی پہلی آیت ہے۔

یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّکُمُ الَّذِیْ خَلَقَکُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا کَثِیْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ عَلَیْکُمْ رَقِیْبًا	لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو، جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی آدمؑ) اس سے اس کا جوڑا بنایا، پھر ان دونو سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے) روئے زمین پر) پھیلا دیئے، اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو، اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمھیں دیکھ رہا ہے۔

میں سمجھتا ہوں کہ طبقۂ اناث کے متعلق اسلام کے تصور اور مرد و عورت کی باہمی ذمہ داری اور تعلقات کی نوعیت پر یہ آیت پوری روشنی ڈالتی ہے پہلے تو اللہ تعالیٰ نے اس میں یہ ارشاد فرمایا ہے کہ ان دو صنفوں کی خلقت ایک ہی طرح ہوئی ہے اور ان دونوں کی قسمت ایک دوسرے سے ایسی وابستہ

ہے کہ گویا ایک جسم کے دو حصے ہوں، مرد و عورت کی جسمانی ساخت میں معمولی تبدیلی اسی وجہ سے ہے کہ دونوں زندگی کا سفر خوش گواری سے طے کر سکیں،

پہلے تو ان دونوں طبقوں کا وجود نفس واحدہ سے ہے پھر اس نفس واحدہ کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا، اس تقسیم کے باوجود ان میں کوئی تضاد کوئی بیر نہیں، بلکہ وہ جاکر ایک ہی نقطہ پر جمع ہو جاتے ہیں، اس دنیا میں سفر کرنے والے انسان کو ہمسفر اس کی جنس سے دیا گیا ہے اور وہ اسی کے جسم کا حصہ ہے پھر اس کے بعد ان دونوں سے نسل انسانی کی آفرینش اور افزائش ہوئی، اللہ تعالیٰ نے دونوں کی رفاقت محبت اور ہم سفری میں بڑی برکت عطا فرمائی کہ جو دو تھے ان سے ہزاروں ہوئے، اور ہزاروں سے لاکھوں، کروڑوں ہو گئے یہاں تک کہ صحیح تعداد کا شمار کمپیوٹر بھی نہیں لگا سکتا کہ کتنے انسان پیدا ہوئے ہیں اس کو صرف خدا جانتا ہے کثیراً کے لفظ سے خدا نے انکی کثرت کی طرف اشارہ فرمایا۔

سائل بھی اور مسئول بھی

پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم اس خدا سے ڈرو جس کے نام پر تم ایک دوسرے سے سوال کرتے ہو، قرآن مجید میں انقلابی طور پر یہ تصور پہلی مرتبہ پیش کیا گیا ہے کہ انسانی سوسائٹی کا ہر فرد ایک دوسرے کا محتاج ہے، ہر ایک سائل ہے

اور ہر ایک مسئول ہے۔ پھر تقسیم اس طرح نہیں کہ سائلین ایک طرف ہیں اور مسئولین دوسری طرف۔ بلکہ جو سائل ہے وہ مسئول بھی ہے، اور جو مسئول ہے وہ سائل بھی ہے۔ "تساءل" (مشترک سوال و جواب) ایک ایسی زنجیر ہے جس میں ہر ایک بندھا ہوا ہے، ہماری تمدنی زندگی ایک جال ہے جس میں ہر ایک دوسرے کا ضرورت مند ہے۔

مرد عورت کے بغیر اپنا قدرتی اور فطری سفر خوش گوار طریقے سے طے نہیں کر سکتا اور کوئی شریف خاتون رفیق حیات کے بغیر خوش گوار طریقے سے زندگی نہیں گذار سکتی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کو دوسرے کا ایسا سائل اور محتاج بنا دیا ہے کہ اس کے بغیر زندگی نہیں گزر سکتی۔

خدا کا نام بیگانوں کو یگانہ بنا تا ہے

پھر یہ بھی فرمایا گیا کہ سوال جس کے نام پر تم کرتے ہو وہ خدا ہے، اسلامی معاشرہ خدا کے عقیدے، خدا کی عظمت، خدا کی قدرت اور خدا کی وحدت کے عقیدے پر وجود میں آتا ہے، ایک مسلمان مرد کی مسلمان خاتون سے ہم سفری اور رفاقت جب جائز ہوتی ہے جب وہ خدا کا نام بیچ میں لائیں۔ خدا کا نام ہی بیگانوں کو یگانہ بناتا ہے، دور کو نزدیک کرتا ہے، غیروں کو اپنا بنا دیتا ہے، اور جس کی پرچھائیں بھی پڑنا گوارا نہ تھی ان کو ایسا قریب اور عزیز بنا دیا

جاتا ہے کہ ان کے بغیر زندگی کا صحیح تصور بھی نہیں ہو سکتا، وہ ایک دوسرے کے رفیق حیات اور ذمہ دار بن جاتے ہیں، شوہر اور بیوی کا تعلق ایسی محبت واعتماد کا تعلق ہے کہ بعض اوقات وہ والدین کے تعلق سے بھی بڑھ جاتا ہے جو بے تکلفی، جو اعتماد، جو الفت، جو سادگی اور جو فطریت ان کے درمیان ہوتی ہے کسی اور رشتہ میں ان کا تصور نہیں کیا جا سکتا، یہ سب اللہ تعالیٰ کے نام کا کرشمہ ہے۔

خدا کا نام بیچ میں آتا ہے تو ایک نئی دنیا وجود میں آجاتی ہے کل تک جو غیر تھا، یا غیر تھی وہ اپنوں سے بھی زیادہ بڑھ کر اپنا بن جاتی ہے، ایک مسلمان مرد، ایک مسلمان عورت ایک دوسرے کے ساتھ بے تکلف نہیں ہو سکتے، ایک دوسرے کے ساتھ بعض اوقات سفر بھی نہیں کر سکتے، ایک دوسرے کیلئے نامحرم ہیں، لیکن جب خدا کا نام بیچ میں آجاتا ہے تو ایک مقدس رشتہ قائم ہو جاتا ہے۔

قرآنی معجزہ ہے کہ تَسَاءَلُونَ بِهٖ کہہ کر معاشرۂ انسانی کا باہمی ارتباط پیوستگی، وابستگی اور ہر ایک کا ایک دوسرے کیساتھ جڑا ہونا ایسا بیان کر دیا کہ کوئی بڑے سے بڑا دانشور اور بڑے سے بڑا چارٹر بھی ان کو بیان نہیں کر سکتا۔ فلسفۂ اجتماع عمرانیات (سوشیالوجی) کی بڑی ضخیم کتاب بھی اس کو بیان نہیں کر سکتی۔

پھر یہ فرمایا کہ جس کا نام بیچ میں لا کر حرام کو حلال کرتے ہو، ناجائز کو جائز کرتے ہو اور اپنی زندگی میں انقلاب عظیم لاتے ہو، اس پاک اور بڑے نام کی لاج بھی رکھنی چاہیئے، زوجین کے گہرے اور محکم تعلق کو قرآن مجید نے ایک دوسرے انداز میں بھی بیان کیا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَأَنتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ — تم ایک دوسرے کا لباس بن جاتے ہو۔

یہ بھی قرآن مجید کا ایک معجزہ ہے کہ اس کے لیے لباس کا لفظ استعمال کیا، جو ستر پوشی اور زینت زندگی کی اہم ضرورت ہے، لباس کے لفظ میں وہ سب کچھ آگیا جو زوجین کے باہمی تعلق و اعتماد کے متعلق زیادہ سے زیادہ کہا جا سکتا ہے تم ان کے لئے لباس ہو اور وہ تمہارے لئے لباس ہیں، لباس کے بغیر جس طرح انسان حیوانیت سے قریب تر نظر آتا ہے، ایک صحرائی مخلوق نظر آتا ہے، ویسے ہی ازدواجی زندگی کے بغیر انسان غیر متمدن نظر آتا ہے اس کو غیر متمدن اور غیر مہذب سمجھنا چاہیئے۔

ازدواجی زندگی ایک عبادت

اسلام میں ازدواجی تعلق کو زندگی کی ایک ضرورت کی حیثیت سے نہیں دیکھا گیا، بلکہ اس کو ایک عبادت کا درجہ دیا گیا، جس سے آدمی خدا کے قریب

ہوتا ہے، یعنی ہمارے یہاں ازدواجی تعلق کا عقد نکاح کا تصور یہ نہیں کہ زندگی کی ضرورت کے تحت یہ کرتا ہی تھا اور اس کے بغیر زندگی کا تلذذ حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ اس کو دینی رنگ دیا گیا، اس کو عبادت قرار دیا گیا اور اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں اس کا سب سے بڑا نمونہ پیش کیا، اور آپؐ نے فرمایا کہ:۔

"تم میں سب سے زیادہ بہتر وہ ہے جو اپنے گھر والوں کیلئے سب سے زیادہ بہتر ہو، اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں"۔

چنانچہ اگر آپ سیرت نبوی کا مطالعہ کریں تو آپ کو یہ نظر آئے گا، کہ آپؐ کے اندر صنف نازک کا جو احترام، اس کے جذبات اور لطیف احساسات کا تصور اور ان کا جو لحاظ تھا وہ طبقہ نسواں کے بڑے سے بڑے وکیل اور عورت کے احترام کے بڑے سے بڑے مدعی کے یہاں نہیں ملتا اسی طرح وہ بڑے سے بڑے مقدس لوگوں، رشیوں اور منیوں، یہاں تک کہ دوسرے پیغمبروں کی زندگی میں ملنا مشکل ہے، ازواج مطہرات کی دل جوئی، ان کی جائز تفریحات میں شرکت، ان کے جذبات کا خیال اور ان کے درمیان جو عدل فرماتے تھے اس کی نظیر نہیں ملتی۔

انہیں کے ساتھ نہیں، بلکہ بچوں کے ساتھ بھی آپؐ اس طرح پیش آتے تھے کہ نماز جیسی محبوب ترین چیز میں بھی آپ محض اس وجہ سے اختصار فرما

دیتے تھے کہ کسی ماں کو تکلیف نہ ہو، اگر کوئی بچہ روتا تھا تو آپؐ نماز میں اختصار فرماتے تھے، یہ انتہائی قربانی ہے، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے لئے تو نماز سے بڑھ کر تو کوئی چیز تھی ہی نہیں، اس سے بڑھ کر کوئی قربانی نہیں ہو سکتی تھی، آپؐ فرماتے تھے کہ

"بعض مرتبہ میں چاہتا ہوں کہ لمبی رکعت پڑھوں لیکن جب کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو مجھے خیال ہوتا ہے کہ کہیں اس کی ماں کا دل نہ لگا ہو ۔ اس کی ماں کا دل نہ گھبرائے اس لئے نماز کو مختصر کر دیتا ہوں،،

مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا

ہمارے سامنے یہ نمونے ہیں، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس نام کو تم بیچ میں لائے، اس کی شرم بھی رکھنا، یہ نہیں کہ اس سے فائدہ ہی فائدہ اٹھاؤ یہ حکم عورتوں اور مردوں دونوں کے لئے ہے، آپ یہاں امریکن سوسائٹی میں ہیں، یہاں ہمیں صرف اسلام کے عقائد ہی پیش کرنا نہیں ہے بلکہ اسلام کا خاندانی نظام معاشرت بھی پیش کرنا ہے، مغربی تہذیب آج تیزی کے ساتھ زوال کی طرف جا رہی ہے، آپ کو بھی احساس ہوگا کہ مغربی تہذیب کا زوال شروع ہو گیا ہے، یہ کوئی ڈھکی چھپی حقیقت نہیں ہے، اس کا ایک

بہت بڑا سبب یہ ہے کہ یہاں کے خاندانی نظام میں ایک ابتری پیدا ہوگئی ہے، خاندانی نظام ٹوٹ رہا ہے، اس میں انتشار ہے، شوہر و بیوی میں جو اعتماد اور جو محبت ہونی چاہیئے، روز بروز اس میں کمی آرہی ہے، اور اس وقت کے مفکر اور فلاسفر پریشان ہیں اور کتابیں لکھی جارہی ہیں کہ مغرب کے معاشرتی نظام کو ٹوٹنے سے، بکھرنے سے کس طرح بچایا جائے، طرفین میں الفت و محبت ہونی چاہیئے، جو زندگی کی حقیقی لذت ہے۔ اس میں فقر و فاقہ بھی ہوتا ہے، تو وہ خوش دلی کے ساتھ برداشت کرلیا جاتا ہے۔ اب بھی ہمارے مشرقی ممالک میں بہت سے ایسے خاندان ہیں کہ وہاں کھانے کو مشکل سے لتا ہے لیکن ان کو جنت کا مزہ آتا ہے کیونکہ آپس میں محبت ہے وہ ایک دوسرے کا منھ دیکھ کر اپنا فقر و فاقہ اور اپنی تکلیف بھول جاتے ہیں، یہاں سب کچھ ہے، تمام وسائل کا قدموں پر ڈھیر لگ گیا ہے اور کائنات کی بہت سی طاقتوں کو انھوں نے مسخر کرلیا ہے، لیکن وہ اپنے دل کی دنیا کو اور اپنے گھر کو جنت میں تبدیل نہیں کرسکتے، جیسا کہ اقبال نے کہا ہے،

ڈھونڈنے والا ستاروں کی گزرگاہوں کا
اپنے افکار کی دنیا میں سفر کر نہ سکا

سکون کی تلاش

جس نے سورج کی شعاعوں کو اپنی مٹھی میں لے لیا ہے. زندگی کی تاریک رات کو صبح میں تبدیل نہیں کر سکا، اگر اقبال ہوتے تو کہتے کہ چاند تک پہونچنے والا اور ستاروں کی گزرگاہوں کی تلاش کرنے والا مغربی انسان اپنے افکار کی دنیا میں سفر نہ کر سکا، اپنے گھر کو گلدستہ اور جنت کا نمونہ نہ بنا سکا، جس نے دنیا کو جنت کا نمونہ بنانے کی کوشش کی، اس کا گھر جہنم بنا ہوا ہے بہت سے امریکی اور یورپین خاندان ایسے ہیں کہ ان کے گھر میں سکون کا کوئی سامان نہیں، اس لئے ہم آج دیکھ رہے ہیں کہ وہ باہر کی تفریحات اور کلب میں سکون تلاش کرتے ہیں کیونکہ سکون ان کے گھروں میں میسر نہیں آتا، گھر آکر ان کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ وہ دنیاوی جنت میں پہنچ گئے ہیں، بلکہ وہ گھر کی زندگی سے بھاگتے ہیں۔

احتیاج اور احترام

میں سمجھتا ہوں جو یہاں دس دس برس، بیس بیس برس سے زندگی گزار رہے ہیں وہ مجھ سے زائد اس المیہ سے اور اس کمزور پہلو سے واقف ہیں، مجھے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اسلامی معاشرت کا ایک بنیادی تصور دیا ہے کہ معاشرہ ایک دوسرے کے احتیاج اور احترام پر قائم ہے ضرورت تو سب کو ہوتی ہے لیکن ضرورت کا محسوس کرنا اور جس سے وہ ضرورت پوری ہو اس کا احسان ماننا یہ الگ ذہنی کیفیت ہے، یہ ذہنی کیفیت

اسلام پیدا کرنا چاہتا ہے کہ ہم میں ہر فرد اپنے کو دوسرے کا محتاج سمجھے اور اپنی اس احتیاج کو تسلیم کرے اور دوسرے کا احترام کرے۔

میں خدا سے دعا کرتا ہوں کہ خدا آپ کی رہنمائی فرمائے، اور آپ اس ملک میں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا ایسا نمونہ پیش کریں، جو یہاں کی سوسائٹی کیلئے، جو زندگی سے عاجز آچکی ہے، دل کش ثابت ہو، اور وہ اسلام کے معاشرتی تعلقات کا بھی سنجیدگی سے مطالعہ کریں، اور اپنے لئے اس کو ترجیح دیں اور ان میں اس کا جذبہ پیدا ہو کہ کاش ہم کو بھی یہ نعمت حاصل ہوتی۔

اگر آپ نے ایسا کیا تو آپ نہ صرف اس ملک کی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی بلکہ اسلام کی بھی بہت بڑی خدمت انجام دیں گی، اور یہ اسلام کی ایک عظیم تبلیغ و دعوت ہوگی۔

میں ان لفظوں کے ساتھ آپ سے رخصت ہوتا ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ آپ کا یہ سیمینار اور مجلس مذاکرہ اچھے فیصلے اور نتائج تک پہنچے۔

اسلامی تمدن اور خواتین

مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نے قطر کی راجدھانی "دوحہ" کے گرلس ڈگری کالج میں معلمات، طالبات اور شہر کی نمائندہ خواتین کے اجتماع کو خطاب فرمایا، عربی سے سلمان الحسینی ندوی نے اردو میں ترجمہ کیا۔

معزز خواتین! میرے لئے بڑا خوش گوار موقع ہے کہ میں آپ سے ایک دینی بھائی کی حیثیت سے گفتگو کروں، یہ اللہ تعالیٰ کا احسان ہے کہ اس نے مجھے ان فاضل بہنوں سے بات کرنے کا موقع عنایت فرمایا، جن کی مدد اور تعاون کے بغیر کوئی صالح اور ذمہ دار سوسائٹی وجود میں نہیں آسکتی، مردوں

کے سامنے تقریر کرنے اور ان سے گفتگو کرنے کے بہت سے مواقع حاصل ہوتے ہیں، لیکن اس مبارک موقع پر میں اپنی فاضل دینی بہنوں سے کچھ باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔

انوکھا چیلنج

معزز خواتین! اسلام کو بالکل ابتدا ہی میں ایک ایسے انوکھے چیلنج کا سامنا کرنا پڑا جس سے ادیان و مذاہب کی تاریخ میں کسی مذہب کو واسطہ نہیں پڑا۔

جزیرۃ العرب میں اسلام کے ظہور کے بعد، جو دینی، اخلاقی، معاشرتی اور عقائدی تعلیمات لے کر آیا تھا، یہ چیلنج اس طرح سامنے آیا کہ اسلام کو دو ایسے ترقی یافتہ تمدنوں سے واسطہ پڑا جن سے بڑھ کر کسی دوسرے تمدن کا تجربہ انسانی اور تہذیبی تاریخ میں نہیں کیا گیا تھا، یہ دو تمدن رومی اور ایرانی تمدن تھے، یہ تمدن تہذیب، آرٹ، آزادی، نکتہ رسی، تخیل کی بلندی، انسانی زندگی کو سنوارنے اور اس کو منظم کرنے، راحت و آسائش کے سامان کی فراہمی اور فراوانی میں کئی منزلیں طے کر چکے تھے اور ترقی کے آخری درجہ تک پہونچ گئے تھے۔ یہ تمدن اپنی تراش خراش میں بڑی رعنائی رکھتے تھے۔ اور بہت حساس تھے۔

رومی و ایرانی تمدن اور اس کے اثرات

رومیوں اور ایرانیوں کو کتابوں سے بٹے ہوئے کتب خانوں، عظیم الشان آلات و وسائل، راحت و دلچسپی کے سامان، شعر لطیف اور ذوق بلند، ادب و آرٹ اور زندگی گزارنے کے مختلف طرز و انداز، خانہ آبادی کے طور و طریق پر ناز تھا، اور ان ساری چیزوں سے ان کا تمدن مالا مال تھا۔

ان کے برخلاف عرب اپنے ابتدائی دور میں یا دوسرے الفاظ میں تہذیبی طفولیت کے دور میں تھے، درحقیقت یہ تجربہ جس سے اسلام کو گزرنا پڑا، بڑا نازک تجربہ تھا، اسلام یقیناً آسمانی تعلیمات، عقائد اور اخلاق عالیہ اور آداب حسنہ سے آراستہ تھا، لیکن تہذیب اور معاشرہ کی قیادت کی باگ ڈور رومیوں اور ایرانیوں کے ہاتھ میں تھی۔ اس لئے اس کا امکان تھا اور سارے قرائن بھی بتا رہے تھے کہ یہ عرب اور مسلمان جنھوں نے ایک تنگ و تاریک ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں، اور جن کے پاس بہت محدود وسائل ہیں، جن کی زمین دولت کے سرچشموں سے خالی ہے، اور جو تمدن کے وسائل و ذرائع سے بالکل محروم ہیں جن کی زندگی خیموں اور معمولی مکانات میں گزرتی ہے، اونٹوں اور گھوڑوں پر جن کے مواصلات کا دار و مدار ہے، جن کی زندگی خانہ بدوش زندگی ہے امکان اسی کا تھا کہ یہ اُمّت اسلامیہ روم و

فارس کے تجربات کے سامنے جھک جائے گی، اور اس بات کے قوی قرائن موجود تھے کہ جو اُمت ابھی اپنا دورِ طفولیت گزار رہی ہے وہ رومی اور ایرانی تہذیب کو اپنی تمام خرابیوں کے ساتھ قبول کرلے گی، کیونکہ جب کسی بھی چیز کو مکمل طریقہ پر اختیار کیا جاتا ہے تو اس کی خصوصیات و لوازمات سے دست بردار نہیں ہوا جاسکتا، عقل یہی کہتی تھی، اور توقع اسی بات کی تھی، اس سے پہلے مسیحیت کا تجربہ بھی ہو چکا تھا۔

رومی تمدن کے آگے مسیحیت کی سپر اندازی

مسیحیت ایک عدل و انصاف پر مبنی اور فطری مذہب تھا، جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام لے کر دنیا میں تشریف لائے تھے لیکن یہی مذہب جب یورپ میں داخل ہوا تو محفوظ نہ رہ سکا، اور اس کا ڈھانچہ بدل گیا، کیونکہ اس کے پاس تہذیب نہ تھی، اس کے پاس ایسی جنچی تلی اور مفصل تعلیمات نہیں تھیں، جو زندگی میں رہنمائی کر سکیں، اساتذہ و معلمین کو صحیح راہ دکھا سکیں مفکرین اور حکام کی مدد کر سکیں، یہ مذہب یہودیوں کی قانونی تعلیمات پر مبنی ایک شریعت کا نام تھا۔ انصاف، انسانی مساوات، انسانیت پر، کمزوروں اور مظلوموں پر رحم و شفقت اس کا شیوہ تھا، یہودیوں کی سنگ دلی اور ظلم و زیادتی پر وہ سخت تنقید کرتا تھا، اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی سمجھنے کی ہے

کہ اس مذہب اور اس کے پیروؤں نے کبھی بھی یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ وہ کسی خاص تمدن کے حامل ہیں کسی خاص تہذیب کے داعی اور علمبردار ہیں، مسیحیت جب یورپ میں داخل ہوئی، جہاں پہلے یونانی پھر رومی تہذیب ترقی کے بامِ عروج تک پہنچ چکی تھی، جہاں عقل انسانی نے فلسفہ، ادب اور علوم ریاضی میں کمال حاصل کیا تھا، مسیحیت جیسا سادہ مذہب جب وہاں داخل ہوا تو اس کو بالکل ایک نئی صورتِ حال کا سامنا کرنا پڑا جس کی کوئی توقع نہ تھی، نتیجہ یہ ہوا کہ مسیحیت نے یورپیا تمدن سے جس کی قیادت رومیوں کے ہاتھ تھی، صلح کرلی، یا دوسرے الفاظ میں اس کے سامنے سپر ڈال دی، اس رومی تمدن کی اساس گذشتہ یونانی تہذیب پر تھی، مسیحیت نے جب اس تمدن سے رگڑ کھائی تو اس کے سامنے جھک گئی، اور اس کے سانچے میں ڈھل گئی، اور مکمل طور پر شکست کھا گئی۔ اس کے اندر مقابلہ کرنے اور سنبھلنے کی قوت نہ تھی، وہ خود اعتمادی زندگی اور طاقت و نشاط سے بھرپور چیلنج کے سامنے ٹھہر نہ سکی، نتیجہ یہ نکلا کہ مسیحیت محدود تعلیمات، محدود قوانین، انسانی مساوات، رأفت و رحمت عدل و انصاف، توحید باری تعالیٰ، اور وہ بھی ایک مختصر اور محدود زمانہ تک سے آگے نہ بڑھ سکی، معاشرتی نظام، عائلی زندگی، ادب و فن اور بہت سی اخلاقی اور انسانی قدروں میں وہ ترقی یافتہ رومی تمدن کے سراسر زیر اثر ہو گئی۔

یہ واقعہ اس لیے پیش آیا کہ مسیحی مذہب اس قوت سے محروم تھا جس کے ذریعہ وہ اس چیلنج کا مقابلہ کرتا، رومی تہذیب کی چمک دمک سے خیرہ نہ ہوتا،

تاتاری اور اسلامی تمدن

دوسرا تجربہ انسانی تاریخ میں تاتاریوں کا تجربہ ہے، آپ الحمدللہ تعلیم یافتہ اور گریجویٹ خواتین ہیں، آپ جانتی ہیں کہ درندہ صفت منگولین یعنی تاتاریوں نے خود عالم اسلام پر ٹڈی دل کی طرح حملہ کیا، وہ اس سیل رواں کی طرح ٹوٹ پڑے، جس کا روکنا اور مقابلہ آسان نہ تھا، انھوں نے جب عالم اسلام کو اپنا نشانہ بنایا تو وہ طاقت سے بھرپور تھے، ان کے پاس ہزاروں سال کی محفوظ طاقت تھی، جس کا استعمال انھوں نے نہیں کیا تھا، ان کی طاقت سے ٹکر لینا آسان نہ تھا، انھوں نے عالم اسلام پر حملہ کرکے خون کی ندیاں بہادیں، اور عالم اسلام کی شان وشوکت کا چراغ گل کردیا، اسلام اور مسلمانوں کی بے حرمتی کی، مسلمان اس طاقت ور اور بلاخیز سیلاب کے سامنے پیچھے ہٹتے رہے، ان کی حکومتیں ایک ایک کرکے شکست کھاتی رہیں، اور مسلمانوں نے یہ تسلیم کرلیا کہ ان کے اندر تاتاریوں کے مقابلہ کی طاقت نہیں، نیز تاتاریوں کو کوئی طاقت پھیر نہیں سکتی، کسی میں دم نہیں کہ ان کو زیر کردے، یہاں تک کہ یہ بات ضرب المثل سی بن گئی، اگر یہ کہا جائے کہ تاتاری

فلاں معرکے میں شکست کھا گئے تو کہہ دینا کہ جھوٹ ہے، تاتاری اور شکست کھا جائیں، یہ خونخوار درندے اور پسپا ہو جائیں، ناممکن ہے، عقل اس کو قبول نہیں کرتی، تاتاریوں کا رعب پورے عالم اسلام پر چھا گیا تھا، ایسا ہولناک خوف و رعب جس کا شاید کبھی کسی انسان کو تجربہ نہ ہوا ہو، سب ان کے گھوڑوں کی ٹاپوں کی گرد تھے، ان کے رحم و کرم کے منتظر تھے، لیکن آخری نتیجہ کیا رہا۔؟

اسلامی تمدن کی فتح

نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اسلام جس کو بظاہر ان کے سامنے شکست کا منہ دیکھنا پڑا تھا، جو ان کے مقابلہ میں پسپا ہو گیا تھا، اسی نے ان فاتحین کو فتح کر لیا، اس نے تلوار کی نوک سے نہیں فتح کیا، کیونکہ اس کی تلوار کند ہو چکی تھی، مسلمانوں کی تلوار نیام میں تھی، وہ مایوس ہو چکے تھے اور کہتے تھے کہ یہ تلوار کچھ نہ کر سکے گی، اس کی دھار تاتار کے مقابلہ میں بیکار ہو چکی تھی، وہ کیا چیز تھی جس نے تاتار کو فتح کیا؟ وہ دین اعجاز تھا، جو دائمی، ابدی، غالب و فاتح، حسین و خوش نما، دل کش و دل نواز دین ہے، اور پھر آگے بڑھ کر اسلامی تمدن نے ان کو اپنا مفتوح بنا لیا، کیونکہ تاتار تمدن سے عاری تھے، وہ انسانوں کی شکل میں درندے یا درندہ نما تھے، دنیا سے کٹی ہوئی ایک تنگ وادی سے اٹھا

کشادہ و وسیع دنیا میں آئے تھے، جس نے ترقی کی بہت سی منزلیں طے کرلی تھیں، ان کو ایک تمدن کی ضرورت تھی، صحرائی زندگی میں ان کو تمدن سے مس نہ ہوا تھا، وہ نیا تمدن اختیار کرنے پر مجبور تھے، کیونکہ کوئی قوم بھی بغیر تمدن کے زندہ نہیں رہ سکتی، نئی زندگی کے لیے مسائل تھے، کھانے پینے پہننے اوڑھنے، معاشرت اور مہمان نوازی کے نئے طریقے تھے، گھروں کی تعمیر کس طرز پر ہو، رہائش گاہوں کو آرام دہ، صحت بخش، نشاط و سرور سے بھرپور کس طرح بنایا جائے، یہ سب مسائل تھے، اس سے پہلے وہ نہایت سادی بدویانہ زندگی گزارتے تھے، اب وہ ایک نئے تمدن کے سامنے تھے اس وسیع اسلامی تمدن سے ان کا معاملہ تھا، جو مشرق سے مغرب تک پھیلا ہوا تھا، اس تمدن نے علوم کو ترقی دی تھی، اور صنعتوں کی ایجاد کی تھیں، عقل انسانی کو سنوارا تھا۔ لوگوں کو ذوق لطیف عطا کیا تھا، ان کے لئے ایک نئی حیرت انگیز زندگی پیدا کردی تھی، اس تمدن نے ان کی آنکھوں کو خیرہ کردیا اور ان کو اسلامی تہذیب و تمدن کی تقلید کرنے پر مجبور کردیا، وہ اسلام کے قالب میں ڈھل گئے، اسلامی زندگی میں گھل گئے، انھوں نے اسلام کا بغور مطالعہ کیا اور قبول اسلام سے مشرف ہوئے، تو در اصل اسلامی تمدن انکے اسلام میں داخل ہونے کا سبب بنا۔

مسلمانوں نے اسلامی تاریخ کے آغاز کے موقعہ پر پہلی صدی ہجری کی

بالکل ابتدا میں بعثت رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے وقت اور خاص طور پر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، جب شام و عراق اور مصر و ایران کو فتح کیا تو نہایت ترقی یافتہ دو تمدن ان کے سامنے تھے، جن کی مادی ترقی کا تصور بھی اس وقت کے مسلمانوں کے لیے مشکل تھا، یہاں تک کہ تاریخ کی کتابوں میں ذکر کیا گیا ہے کہ جب پہلی مرتبہ انھوں نے چپاتیاں دیکھیں تو یہ سمجھے کہ ہاتھ پونچھنے کے لئے دستی رومال ہیں، کھانے کے بعد انھوں نے ہاتھ پونچھنے کیلئے ان باریک چپاتیوں کو اٹھایا تو معلوم ہوا کہ یہ تو روٹی ہے، غرضیکہ دینی فتوحات کا جب دور شروع ہوا تو ان کو ایک نئے ترقی یافتہ اور دل کش تمدن سے سابقہ پڑا، جس سے وہ بالکل ناواقف تھے۔

لیکن کیا بات تھی جس نے ان کو اس طاقتور تمدن میں گھل جانے اور گھل جانے سے محفوظ رکھا، وہ بات یہ تھی کہ انھوں نے اس تمدن کو نہ تو اپنایا، اور نہ زندگی میں اس کی تقلید کی۔ اس طرح اسلامی تمدن محفوظ اور صحیح وسالم طریقے سے آج ہم تک پہونچ سکا، آج یہ اسلامی تمدن جس طرح یہاں ہے ویسے ہی ہندوستان و پاکستان میں ہے۔ سعودی عرب اور مراکش میں ہے افریقہ اور ایشیا میں ہے، اس پوری مدت میں یہ تمدن کس طرح اپنی حفاظت کر سکا ہے اس تمدن کے بقا، اس کی قوت اور ٹھہراؤ، اور یہاں کے چیلنجوں پر اس کے غلبہ حاصل کرنے کے پیچھے کیا راز ہے، وہ چیلنج جس کا مقابلہ نہ مسیحی کر سکے

نہ وہ تاتاری فاتح جنھوں نے سارے عالم کو زیر کر لیا تھا، اور پورے عالم اسلام کو روند ڈالا تھا، لیکن تمدن کے مسئلہ پر وہ بھی قابو نہ پا سکے تھے۔

مسلمانوں نے اس پیچیدہ اور انوکھی مشکل پر کیسے قابو پایا؟ بہت سے مصائب و مشکلات ایسی ہوتی ہیں جن کو سہار لیا جاتا ہے، مثلاً دینی تعصب کی بنیاد پر ظلم و تعدی جس سے مسلمانوں کو واسطہ پڑتا رہتا ہے اور وہ اس کا مقابلہ کرتے رہتے ہیں، ہم ہندوستان میں بہت سے چیلنجوں کا مقابلہ کر رہے ہیں، ہندی قومیت کا چیلنج، غیر اسلامی تعلیم و ثقافت کا چیلنج، بت پرستی اور شرک کا چیلنج، اللہ کے فضل سے ہم نے ان چیلنجوں کا مقابلہ کیا، اور ڈٹ کر کیا، لیکن جب مسلمان ابتدائی دور میں تھے، بدوی زندگی گزار رہے تھے، سیدھی سادی معیشت تھی اس وقت انھوں نے اس تمدن کے چیلنج کا کیسے مقابلہ کیا، حالانکہ تہذیب و تمدن کا چیلنج بڑا ہی نازک اور خطرناک ہوتا ہے، واقعہ یہ ہے کہ مسلمانوں نے اس مشکل پر مردوں اور عورتوں کے باہمی تعاون سے قابو پایا، مسلمان اپنی دعوت اپنے پیغام پر فخر کرتے ہیں، وہ یقین رکھتے تھے کہ ان کا دین کامل اور مکمل ہے اور خاتم الادیان ہے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی نبوت و رسالت آخری نبوت و رسالت ہے، انھوں نے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان سن رکھا تھا کہ

"ہم نے تمہارے لئے دین کو مکمل کر دیا، اور اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لئے مذہب کے سلسلے میں اسلام کو پسند کیا"۔

ان کو اس دین کی صلاحیت، قابلیت اور طاقت پر پورا بھروسہ تھا۔

قرن اوّل کے مسلمانوں کا ایمان ویقین

ان کو یقین تھا کہ یہ دین زمانہ کا ساتھ دینے کیلئے نہیں، بلکہ زمانہ کی باگ ڈور سنبھالنے اور اس کی رہنمائی کرنے کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہے۔ ان کو اپنے دین پر فخر وناز تھا، اپنی ذات پر اعتماد تھا، اپنی اخلاقی قدروں اور اپنے تمدن کو وہ عظمت کی نگاہ سے دیکھتے تھے۔ ان کا ایمان تھا کہ جس دین کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لے کر تشریف لائے ہیں وہ محض دین ہی نہیں یا محض چند قوانین کا مجموعہ نہیں، بلکہ وہ دین بھی ہے تمدن بھی، اس میں احکام بھی ہیں اور معاشرتی نظام بھی، وہ سیف وسنان بھی ہے قرآن بھی، وہ مسجد ومحراب بھی ہے اور حکومت وایوان بھی، وہ اس دین کو شفا بخش دوا سمجھتے تھے اور صحت بخش دوا بھی، آج کے بہت سے مسلمانوں کی طرح ان کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ یہ تو صحیح ہے کہ اسلام بحیثیت مذہب سب سے اچھا مذہب ہے اور وہی اللہ کا آخری اور مقبول دین ہے، اور اس مذہب کے علاوہ کسی مذہب میں نجات نہیں اور یہی مذہب ابدی اور دائمی ہے، لیکن تمدن ایک دوسری چیز ہے اس کا دین سے کیا تعلق، دین ایک الگ شے ہے اور تمدن بالکل الگ شے، دین جدا اور تہذیب جدا، اس لئے اگر ہم مغرب کی تقلید کریں، اور مغربی تہذیب

کو اپنائیں تو اس میں ہمارے دین و عقیدہ کے منافی کوئی بات نہیں۔

عرب کے ابتدائی بدو اس نظر سے روم و فارس کے تمدن و تہذیب کو نہیں دیکھتے تھے، وہ اس کے بارے میں کہہ سکتے تھے جو آج ہم امریکن اور یورپین تہذیب و تمدن کے متعلق کہہ رہے ہیں، اس وقت کی ایرانی اور رومی تہذیب و تمدن اور آج کی امریکی اور مغربی تہذیب و تمدن حتیٰ کہ روسی تمدن میں حقیقتاً کوئی فرق نہیں۔ یہ سارے تمدن ایک ہیں، جن کو ہم میکانکی، مادی، مصنوعی اور ظاہری تمدن سے تعبیر کر سکتے ہیں۔ جس طرح بہت سے مسلمان افراد اس تمدن کو دیکھ کر کہتے ہیں کہ یہ سب عقل انسانی اور تجربات کی آخری منزل ہے، تو اگر کل صحرا کے بدو اس وقت کی تہذیب و تمدن کو دیکھ کر کہتے تو معذور ہی سمجھے جاتے، وہ تہذیب و تمدن کی چمک دمک سے بالکل ناواقف تھے، آنکھوں کو چکاچوند کرنے والے مظاہر انھوں نے کبھی نہ دیکھے تھے، اب اگر روم کے کسی شہر، بازنطینی حکومت کے کسی شہر، یا ایرانی ساسانی مملکت کے کسی شہر میں داخل ہو کر ان کے منہ میں پانی بھر آتا، اس تمدن پر فریفتہ ہو جاتے اور کہنے لگتے کیا کہنے اس تمدن کے، اس کاریگری، اس عیش و تنعم کے، انسانی عقل کہاں تک پہنچ گئی! اور کیسی تہذیب کو جنم دیا ہے، اگر وہ یہ کہتے تو میں انھیں معذور سمجھتا، کیونکہ وہ صحرائے عرب کا ایک بدو ہی تھا جس کی آنکھیں ایک ترقی یافتہ ملک کے دار السلطنت میں آکر خیرہ ہوئی جا

رہی تھیں، اور وہ اس تمدن کے سامنے ہوش باختہ ہوگیا، لیکن تاریخ کا مطالعہ کرنے والا حیران رہ جاتا ہے اور اس کے تعجب کی کوئی انتہا نہیں رہتی ہے اور اس عجیب تجربہ کے سامنے جو انسانی تاریخ میں اپنی نوعیت کا انوکھا تجربہ تھا، اعتراف سے اس کی گردن جھک جاتی ہے جب وہ دیکھتا ہے کہ عربی مسلمان اس تمدن سے بالکل متاثر نہیں ہوتے، اور وہ اپنی اسلامی شخصیت کے محافظ و پاسبان رہے۔

آج عالم عربی کے کسی ملک کے دارالسلطنت مثلاً امارات میں ابوظبی یا قطر میں دوحہ کو ہی لے لیجیے، وہاں ہم یہ ضروری سمجھنے لگے ہیں کہ ہمارے گھر وں کا طرز تعمیر اور فرنیچر بالکل ویسے ہی ہو جیسے انگلینڈ یا امریکہ میں ہوتا ہے ہماری تہذیب اور انکی تہذیب میں مکمل اتفاق اور ہم آہنگی ہو، لیکن سوچیے کہ وہ عربی اور بدوی مسلمان کس طرح اپنی اسلامی شخصیت کو مضبوطی سے تھامے رہے، ایرانی اور رومی تہذیب کے آگے انھوں نے سر خم نہ کیا یہ تاریخ کا ایک معمہ ہے جس کو حل ہونا چاہیئے، اس کو حل کرنے کیلئے غور کرنا چاہیئے، یہ ایک سوال ہے جو جواب طلب ہے اور اطمینان بخش جواب چاہتا ہے،

میرے نزدیک اس کا جواب یہ ہے کہ یہ سب کچھ مسلمان مرد و عورت کی خود اعتمادی کا نتیجہ تھا، ان کو اپنے دین اور خدا کے آخری پیغام کی صلاحیت اور انسان کے لیے کامل و مکمل اور رہنما دین پر مکمل بھروسہ تھا، اور اسلامی شخصیت، اسلامی زندگی، جس کا نمونہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی زندگی میں انھوں نے دیکھا تھا، اور ان تک وہ انھیں کے واسطے سے پہونچی تھی، شرم و حیا، عفت و طہارت، حجاب، آداب معاشرت، تواضع و لینت، طہارت و پاکیزگی، اسلامی ذوق، سادگی، اسراف سے پرہیز، قناعت، آپس کا احترام و اکرام، عدل و انصاف، حقوق زوجیت کا پاس و لحاظ، رشتہ داروں کے حقوق کی ادائیگی چھوٹوں پر شفقت، بڑوں کی عزت و احترام، یہ وہ صفات و امتیازات ہیں جو مردوں کے ساتھ عورتوں کے مکمل تعاون کا نتیجہ ہیں، اس طرح وہ اسلامی تمدن، اسلامی تہذیب اور اسلامی شخصیت کی حفاظت کر سکے، مرد کارگہ حیات، مدرسوں میں، محکموں میں، عدالتوں میں اور گھر سے باہر کی دنیا میں اور خواتین گھروں میں، اس طرح وہ معاشرہ کامل و مکمل ہم آہنگ و یکرنگ اور تعاون کے اصول پر کاربند تھا، مسلمانوں کے لیے کوئی مشکل نہیں تھا کہ وہ دنیا کے بڑے سے بڑے اور زیادہ سے زیادہ ترقی یافتہ شہر میں اسلامی زندگی کا نمونہ پیش کریں، ان کے قدم انطاکیہ پہنچے، انھوں

نے دمشق، حلب و حمص پر حکومت کی قسطنطنیہ میں داخل ہوئے، سندھ کو فتح کیا ملتان، بخارا و سمرقند ان کے قدموں کی خاک بنے، دلی ان کی پابوس ہوئی، لاہور ولکھنؤ ان کے قدموں سے مشرف ہوئے، یہ تمام شہر اپنا ایک تمدن رکھتے تھے جو بہت پرانا اور ترقی یافتہ تھا، ذوق کی لطافت سے آراستہ تھا لیکن مسلمان جہاں جاتے تھے اپنی تہذیب اور اپنا تمدن لے کر جاتے تھے، وہ نہ صرف اپنے تمدن کی حفاظت کرتے تھے، بلکہ تہذیب و تمدن کا سکہ جما دیتے تھے، بہت سے لوگ ان کی تہذیب کے گرویدہ ہو جاتے تھے، اور آخر کار ان قدیم تہذیبوں کے چراغ کو گل ہونا ہی پڑتا تھا، اور تابناک اسلامی تہذیب کا آفتاب روشن ہو جاتا تھا مسلمان اندلس گئے۔ اندلس یوروپ کا ایک قلعہ ہے مسلمانوں نے وہاں ایک حسین تمدن کی بنا ڈالی، اور ایک نیا طرز تعمیر ایجاد کیا، جو آج بھی اندلس کے لئے باعث زینت ہے۔ آج بھی وہ مسجد قرطبہ قصر حمرا، اور اشبیلیہ کی مسجدوں سے بہتر کوئی چیز سیاحوں کی زیارت کے لئے پیش نہیں کر سکتے، حکومت ہندوستان اپنے ملک میں کثرت سے آثار قدیمہ کے باوجود تاج محل سے زیادہ حسین و خوش نما، جامع مسجد اور لال قلعہ سے بڑھ کر پر عظمت، پرشکوہ آثار نہیں پیش کر سکتی، مسلمان اپنی تہذیب و تمدن کو ساتھ لے کر گئے، انھوں نے وہاں اس کی آبیاری کی، اس کو اور وسعت دی، اور حسین سے حسین تر بنایا، انھوں نے استفادہ بھی کیا، انھوں نے وہاں کے فن تعمیر، وہاں کی سلیقہ مندی اور طبیعت کے گداز، وہاں کے حسن و جمال کو نظر انداز

نہیں کیا، بلکہ اس پر اسلامی تہذیب کا اضافہ کیا۔

مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا معاملہ

لیکن افسوس کے ساتھ اس حقیقت کا اظہار کرنا پڑتا ہے کہ مغربی تہذیب کے ساتھ ہمارا وہ معاملہ نہیں جو ہمارے اسلاف کا ایرانی اور رومی تہذیب و تمدن کے ساتھ تھا۔ یہ ایک سوال ہے کہ موجودہ اسلامی معاشرہ، موجودہ مغربی معاشرہ کے سامنے کیوں شکست کھا گیا، یہ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ آج کا مغربی تمدن اپنے دور کے لئے اس وقت کے رومی اور ایرانی تمدن سے زیادہ ترقی یافتہ اور مؤثر ہے، اس وقت مسلمانوں نے اپنی تہذیب و تمدن کی بھینٹ نہیں چڑھائی، بلکہ وہ فخر و عزت سے کہتے تھے کہ ہماری تہذیب افضل ہے، ہمارا ادب و لٹریچر تم سے زیادہ قدیم، ہماری تعلیمات زیادہ بہتر ہیں، ہمارے آداب و اخلاق اعلیٰ و احسن ہیں۔

بجائے مقابلہ کے پیروی

مغربی تہذیب کے بارے میں ہمارا موقف روم و فارس کی تہذیب کے متعلق ہمارے اسلاف کے موقف سے بالکل جداگانہ ہے، اس کا سبب اولین ہمارے ایمان کی کمزوری، خود اعتمادی کا فقدان اور خودی کا زوال ہے، ہمارے سامنے مغربی تمدن کی کوئی چیز آتی ہے تو ہم لپک پڑتے ہیں، ہم بیساختہ بول اٹھتے ہیں کہ جدید دنیا

کی اس ترقی سے ہمارے آباواجداد واقف نہ تھے، ہماری مثال اس بچہ کی سی ہے جس کی پرورش ونشو ونما کسی گاؤں میں ہوئی ہو، اس کے بعد اس کو کسی بڑے شہر کے دیکھنے کا موقع ملتا ہے تو وہ ہر چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے، پٹری پر چلنے والی ریل گاڑی، فضا میں اڑنے والے جہاز، ساری چیزیں اس کی توجہ کا مرکز بن جاتی ہیں۔ ہمارا معاشرہ بھی ابھی سن رشد کو نہیں پہنچا، یہ بچکانہ معاشرہ ہے، حالانکہ ہم حق دار تھے کہ ان کی تہذیب وتمدن کو چیلنج کرتے، اور پوری طاقت سے کہتے، اے مغربیو! ہماری شاگردی اختیار کرو، ہم سے سیکھو، طہارت ونظافت، خوش پوشاکی اور اعلیٰ طریق زندگی، زندگی کے اصول، ہم سے معلوم کرو، ہم سے شرم وحیا، اور عفت وپاکیزگی کا سبق لو، تم اگر صفائی، ستھرائی، لطافت وجمال اور ہدایت واصلاح کی زندگی گذارنا چاہتے ہو تو ہمارے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرو، لیکن ہم میں یہ کہنے کی جرأت نہیں، اس لئے کہ ہمیں اپنی ذات، اپنے دین، اپنے عقائد، اپنی خداداد صلاحیتوں اور اپنی فہم ودانائی پر اعتماد نہیں رہا، ہم بداعتمادی کا شکار ہو گئے، ہم تہذیب وتمدن اور انسانی قدروں میں غیروں کے دست نگر اور بھکاری ہو چکے، مغربی تہذیب سے مرعوبیت اور اس کی اہمیت وعظمت نے ہمیں بکریوں کے ریوڑ کی طرح ہانکنا شروع کیا، ہمارے ہوش وحواس باختہ کر دیئے، ہم پروانہ وار اس پر گرنے لگے، ہم اس طرح اس تہذیب پر بے تحاشہ ٹوٹ پڑے، جسطرح پیاسا پانی پر ٹوٹ پڑتا ہے، ایک دیا تھا، جس کی روشنی دیکھ کر پروانے آ گئے،

اور اس کی لو سے ٹکرا ٹکرا کر موت کے منھ میں چلے گئے، ہم نے مغربی تہذیب کے سامنے اپنی حقیقت اور اپنی قدرت واختیار کو بھولی بسری کہانی بنا دیا، اگر ہم کو فائدہ ہی اٹھانا تھا تو اس کا طریقہ یہ تھا کہ ہم اپنے مطلب کی نفع مند اور کارآمد چیزیں اختیار کر لیتے، اور "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے قدیم حکیمانہ قول پر عمل کرتے ہوئے ان صاف ستھری چیزوں کو اپناتے جو ہمارے عقائد، اخلاق واقدار سے ہم آہنگ ہوتیں، ہم مغرب کی ٹکنالوجی اور سہولت وراحت کے مفید وسائل اختیار کر کے ان کو اپنے تابع، اپنے ماحول کے مطابق اس طرح بناتے کہ یہ تہذیب وتمدن ہمارے تابع ہو کر رہتا۔

اسلامی تہذیب کی حفاظت میں خواتین کا حصہ

غیر اسلامی تہذیب وتمدن کے سلسلہ میں مسلمان خواتین کا موقف ایک روشن اور باعزت موقف تھا، اگر مسلمان خواتین کا یہ رویہ نہ رہا ہوتا تو مسلمان رہنما، امراء وحکام، سلاطین وبادشاہ اور اسلامی سپاہ کے کمانڈر، اسلامی سوسائٹی، اسلامی شخصیت اور اسلامی تہذیب وتمدن کی حفاظت نہیں کر سکتے تھے، اگر تقوی شعار، امانتدار، شریف پختہ ایمان والی خواتین، اسلامی تہذیب اور اسلامی تشخص کی حفاظت اور اس کی بقا کے لئے مردوں کے ساتھ مکمل تعاون نہ کرتیں، اسلامی عائلی نظام کے قیام اور ایسے اسلامی گھر کی جو اسلامی تربیت کے زیر اثر

پروان چڑھ رہا ہو، اور جہاں پاکیزگی محبت و امن کی فضا ہو، تعمیر میں مردوں کا ہاتھ نہ بٹاتیں، اگر خدا کی باعزت صالح اور نیک بندیاں جو اسلامی تشخص کی پاسبان ہیں، باعزت اور شریف مردوں کی مدد نہ کرتیں، اور ان کو سہارا نہ دیتیں تو مسلمانوں کو اپنے اسلامی تشخص، اسلامی تہذیب و تمدن کے ساتھ باقی رہنا مشکل تھا، ان خواتین کا اسلامی تشخص کی حفاظت ہی نہیں بلکہ اسلامی وجود کی بقا میں بڑا حصہ ہے، ان کی حفاظت کے نتیجہ میں دین اپنی تہذیب و تمدن اپنی معاشرت و اخلاق۔ اپنے اقدار و تصورات کے ساتھ صحیح و سالم ہم تک پہونچا،

خواتین سے آج بھی توقع ہے

آج بھی ہمیں اسلامی سوسائٹی کے اس عظیم رکن اور جسم اسلامی کے اس مؤثر و فعال عضو سے توقع ہے کہ وہ مغربی تہذیب کا سایہ بننے کے بجائے اپنے اوپر مغربی تہذیب کا سایہ بھی نہ پڑنے دیں گی، ان کو چاہیئے کہ اس مغربی تہذیب کے پیچھے دوڑنے اور اس ریس میں شریک ہونے کے بجائے اس کے ضروری اور مفید اجزا اختیار کریں۔ اور ہر اس چیز کو ترک کر دیں جو دین، ان کی عزت و شرافت، ان کے اخلاق و آداب اور ان کی اسلامی شخصیت کے منافی ہو، ہمارے گھر اسلامی گھروں کا نمونہ ہوں، کوئی یورپین آدمی آئے

اور کسی مسلمان کے گھر میں داخل ہو تو اسلامی نظم و نسق، ثقافت، حیا و عفت، شرم و حجاب، پردہ، احترام، چھوٹوں پر شفقت اور محبت و اخوت کے اسلامی مظاہر دیکھے، وہ شوہر و بیوی، بھائی بہن، ماں باپ کے درمیان تعلقات کی وہ نوعیت دیکھے، اور زندگی کا وہ طرز اس کے سامنے ہو، جس سے وہ بالکل ناواقف ہے، بجائے اس کے کہ ہم ان کی تقلید کریں، وہ ہمیں دیکھ کر جب واپس جائیں، تو ان کے دل کی آواز ہو کہ ہمیں اسلامی تہذیب و تمدن کی نقل کرنا چاہیئے، وہ اپنے دوستوں اور رشتہ داروں سے جا کر بتائیں کہ ہم نے ایک اسلامی ملک میں تھوڑا وقت گذارا، اور جو دیکھا وہ بیان سے باہر ہے، سچ یہ ہے کہ ہم نے جنّت ارضی دیکھ لی، ہم نے ایک مسلمان کا گھر کیا دیکھا، گویا جنّت دیکھ لی. خدا کی قسم یہی اسلامی زندگی جنّت ہے اور جو زندگی ہم گذار رہے ہیں وہ آگ کی بھٹی ہے، یہاں سے واپس ہونے والا امریکن پھر وہاں امریکنوں سے کہے گا کہ اے لوگو! تم دوزخ میں جل رہے ہو، خدا کی قسم مسلمان جنّت کے مزے لوٹ رہے ہیں، لیکن افسوس ہے کہ امریکہ اور یورپ جا کر یہاں کا آدمی دیکھتا ہے کہ یہ سارے عرب ممالک ایک ایڈیشن ہیں، یہ سب ایک کتاب کا ایک ہی ایڈیشن ہیں، جس میں صفحہ، سطر، حرف سب یکساں ہیں، وہاں کا آدمی یہاں آتا ہے تو اسے مغربی تہذیب کی مکمل تصویر نظر آتی ہے، اس لئے وہ فیصلہ نہیں کر سکتا کہ یہ سکون، امن و امان، راحت و

اکرام، انس و محبت اور قلبی اطمینان اسلامی زندگی کے خصائص ہیں۔

میں نہیں کہتا کہ آپ بجلی، کار اور دوسری تمدنی سہولتوں سے مستغنی ہو جائیے لیکن میں کہتا ہوں کہ اعلیٰ اقدار اور ہماری تہذیب اسلامی ہونی چاہئے، اور آپ اپنی فہم و دانائی، اپنے عزم و ارادہ سے، جس میں عورتیں مشہور اور اپنے ارادہ کی پکی ہوتی ہیں، صحیح، سچی اسلامی زندگی کی نمائندگی کر سکتی ہیں، آپ کلیۃ البنات قطر کی معزز خواتین، ایک نئی شاہراہ قائم کر سکتی ہیں، آپ پاکستانی، انڈونیشی اور ہندوستانی عورتوں کے لئے راہ ہموار و آراستہ کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں، کیونکہ آپ کو قیادت و رہنمائی کا مقام حاصل ہے، آپ اس اسلامی عربی شہر میں عالم انسانی اور عالم اسلامی کی عالمی قیادت کے منصب پر فائز ہیں۔

میں ان گذارشات کے ساتھ اپنی بات ختم کرتا ہوں، اور اپنی فاضل اور معزز بہنوں سے بات کرنے کا جو مبارک موقع ملا، اس پر شکریہ ادا کرتا ہوں، مجھے امید ہے کہ جو بات کہی گئی ہے وہ سمجھی بھی گئی ہوگی، اور ان شاء اللہ نتیجہ سے خالی نہ رہے گی، اور یہ شہر اس تجربہ کو عملی شکل دینے میں قائدانہ کردار ادا کریگا۔

دین میں خواتین کا حصہ

رحمت خداوندی مرد و عورت پر عام ہے

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّیْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ

مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ (سورۂ آل عمران)

اللہ تعالیٰ نے پہلے اہل ایمان کی دعاؤں کا تذکرہ کیا ہے کہ ان اہل ایمان نے خوب دعائیں کیں، یہ معمولی دعائیں نہیں تھیں، بڑی مومنانہ، بڑی مبصرانہ بڑی مردانہ دعائیں، مردانہ لفظ میں نے جان بوجھ کر استعمال کیا ہے۔

ربنا اننا سمعنا منادیاً ینادی للایمان ان اٰمنوا بربکم فاٰمنا

ایک مردانہ دعا ہے

فاغفر لنا ذنوبنا وکفر عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار ط

ربنا واٰتنا ما وعدتنا علیٰ رسلک ولا تخزنا یوم القیامۃ انک

لا تخلف المیعاد یہ ایک بلند ہمتی کی دعائیں تھیں۔

انھوں نے ایک بات اور کہی تھی۔

"رَبَّنَا إِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِي لِلْإِيمَانِ"، ہم نے ایک پکارنے والے کو، تیرے ایک منادی کو پکارتے ہوئے سنا کہ "اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ"، اپنے رب پر ایمان لاؤ "فَاٰمَنَّا"، ہم ایمان لائے "وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّئَاتِنَا"، ہمارے گناہوں کو معاف کر اور ہمارے گناہوں سے درگذر کر۔

ظاہر ہے کہ ان دعاؤں میں ذہن مردوں ہی کیطرف جائیگا۔ منادی اور قبول کرنے والے مرد۔ اور میں یہ کہتا ہوں کہ پیش پیش رہنے والے اور اس کو مردانہ وار لبیک کہنے والے مرد تھے۔ لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ جب اجر کا اور دعاؤں کی مقبولیت کا ذکر کرتا ہے تو مردوں کے ساتھ، حالانکہ وہاں پر کوئی سیاق وسباق اور قرینہ نہیں ہے، خاص طور سے عورتوں کا ذکر کرتا ہے،

"فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ"، دعا کرنے والے مرد ہیں، اور فرماتا ہے اللہ نے ان کی دعا قبول کی۔

یہاں پر کوئی ادیب یا کوئی انشا پرداز ہوتا، کوئی مقنن یا کوئی ماہر نفسیات ہوتا، کوئی عورتوں کی آزادی کا حامی اور محرک ہوتا تو مجھے یقین ہے کہ وہ یہاں پر عورتوں کو فراموش کر دیتا، یہ کیا موقع تھا، اور کیا ذکر تھا، ساری دعائیں مردوں کی اور سارے کام وہ جن میں مرد پیش پیش تھے، لیکن اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت دیکھیے، وہ ذکور وا ناث دونوں جنسوں کا خالق ہے، دونوں پر اس کی یکساں شفقت کی نظر ہے، وہ رب العالمین ہے، فرماتا ہے۔

"فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ أَنِّي لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ"

ترجمہ ان کے پروردگار نے ان کی دعا قبول کی، اور میں کسی کام کرنے والے کے کام کو ضائع نہیں کرتا۔ عامل کا لفظ تذکیر کا ہے، یہاں تک مردوں ہی کا ذکر تھا، "لَا أُضِيعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِنْكُمْ"، میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کسی محنت کرنے والے کسی کوشش کرنے والے کی کوشش، کسی قربانی دینے والے کی قربانی کو ضائع نہیں کرتا۔ فرماتا ہے، "مِنْ ذَكَرٍ أَوْ أُنْثَىٰ" یہاں ایک دم سے عورتوں کو یاد فرماتا ہے، اور ان کو شرف بخشتا ہے کہ وہ عمل کرنے والا، وہ دعا کرنیوالا، چاہے مرد ہو یا عورت۔

رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے

میں اس کو پورے وثوق کے ساتھ اور خم ٹھونک کر کہتا ہوں کہ اور کسی چیز میں مساوات ہو یا نہ ہو، اور بعض چیزوں میں مساوات، اسلامی شریعت کے تحفظ اور فطرت انسانی کی معرفت پر مبنی بصیرت سے کام لیتی ہے، لیکن ایک چیز ڈنکے کی چوٹ پر کہی جا سکتی ہے کہ رحمت الٰہی اور بخشش الٰہی میں مساوات کامل ہے، اس میں کوئی تحفظ نہیں ہے، کسی قسم کا ریزرویشن اور کسی قسم کا امتیاز نہیں، اور اس کی دلیل یہ آیت ہے "فاستجاب لھم ربھم" پورا سیاق و سباق دیکھئے تو آنکھیں کھل جائیں گی، اور اعجاز قرآنی سے بڑھ کر رحمت

یزدانی کا آدمی قائل ہو جائیگا، اور کوئی جھوم اٹھے اور کسی پر وجد کی کیفیت طاری ہو جائے، اور ان کے رونگٹے رونگٹے سے تشکر کے ترانے نکلیں۔ بلکہ اُبلیں، تو بھی بالکل بجا ہے اور بر محل ہے، یہاں یہ کوئی موقع نہ تھا، مردوں نے بھی (اللہ ان کو معاف کرے) اپنی دعاؤں میں اپنی بہنوں کا تذکرہ نہیں کیا تھا، اپنی ماؤں تک کا تذکرہ نہیں کیا تھا، حالانکہ ماں تو ماں ہی ہے، انھوں نے دعا اپنے لئے کی تھی، ساری ساری چیزیں تذکر کی استعمال کی تھیں، لیکن اب اس رب العالمین کی رب العالمینی دیکھئے، اور اس کی رحمۃ للعالمینی دیکھئے۔ فرماتا ہے۔ فاستجاب لھم ربھم أنی لا اُضیع عمل عامل منکم من ذکر او انثیٰ " اور پھر اس پر کر بعد مہر لگاتا ہے بعضکم من بعض " تم بھول کیوں گئے تھے، گویا ان دعا کرنے والے مردوں کو تنبیہ کی گئی کہ تم اپنے جسم کے اتنے بڑے حصہ اور حیات انسانی کے ایک اتنے اہم عنصر کو بھول کیوں گئے تھے؟ بلکہ اپنے لئے شرط حیات کو بھول گئے تھے تو تم بھولے ہم نہیں بھولے، تم سو بار بھولو، ہزار بار بھولو، لیکن ہم بھولنے والے نہیں ہیں۔

" فی کتاب لا یضل ربی ولا ینسی " ، حضرت موسیٰ نے جواب دیا تو ان کے رب العزت نے جواب دیا " لا اضیع عمل عامل منکم " میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کا عمل ضائع نہیں کرتا ہوں۔ بغیر سیاق و سباق کے فرماتا ہے من ذکر او انثیٰ " ، چاہے وہ عمل کرنے والا مرد ہو یا عورت، کیا

تعجب کی بات ہے؛ تم ہو ہی ایک دوسرے سے، تم ایک دوسرے سے مستغنی نہیں ہو، معاشرت انسانی بلکہ حیات انسانی ان دونوں عنصروں سے مرکب ہے ان کا انفصال ہو ہی نہیں سکتا ہے۔

عمل کا نتیجہ دنیا میں بھی نکلے گا اور آخرت میں بھی

جب میرا ذہن اس آیت کی طرف گیا تو معانی اور مضامین کا ایک عالم سامنے آگیا کہ "لا اضیع" کی وسعت اور اس کی بے پایانی دیکھئے کہ اس نے یہاں پر "لا اُضیع عمل عامل منکم" فرمایا ہے، میں تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا، عربی کے لفظ "اضاعت" کا استعمال ہوا ہے، یعنی اس کی کوشش کا نتیجہ یہاں دنیا میں بھی ظاہر ہوگا، اور آخرت میں بھی ہوگا، یہ آیت دنیا و آخرت دونوں پر حاوی ہے، آیت یہ نہیں کہتی کہ عورتیں عبادت کرکے دنیا میں کوئی نتیجہ نہ پائیں گی، محنت کریں علم کے لئے اور علم حاصل نہیں ہوگا، محنت کریں تربیت میں، اور اس کا نتیجہ حاصل نہیں ہوگا۔ محنت کریں زندگی کو پرلطف، بامعنیٰ اور بارونق بنانے میں اور اس کا کوئی نتیجہ نہ نکلے اور سارا اجر آخرت کے لئے اٹھا رکھا جائے۔ بلکہ جس میدان میں تم دونوں محنت کروگے، اس میں اپنی کوششوں کا نتیجہ دیکھوگے۔

عورتیں ولایت کے میدان میں بھی پیچھے نہیں

اس کا پورا امکان تھا کہ ولایت کے میدان پر پوری اجارہ داری مردوں کی ہوتی، اس لئے کہ ولایت اور قبولیت عند اللہ کا یہ میدان بڑی خصوصیات کا طالب ہے، اور اس کو مردوں سے کچھ مناسبت ہے، مجاہدہ اور جہاد کرنا رات رات بھر نمازیں پڑھنا، روزے رکھنا، یہ مردوں کے لئے آسان ہے،

عورتوں کی بہت سی صنفی خصوصیات ہیں، بہت سی خانگی ذمہ داریاں ہیں تربیت و پرورش اولاد، کسی کو بچہ کو اپنے ساتھ سلانا ہے، اور بچہ میٹھی نیند سو رہا ہے، بچہ کی بیماری میں تیمارداری کرنی ہے، اس کے لئے اتنی عبادت ممکن کہاں ہے جتنی مرد کے لئے، وہ مسجد سے آیا اور سو گیا، یا مسجد میں جا کر سو گیا، رات بھر عبادت کرے، ولایت کے سلسلے میں بالکل امکان تھا کہ ہم اولیاء اللہ سے واقف ہوتے، اور ایک عورت کا نام کبھی نہ سنا ہوتا، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کی قبولیت عام اور ان کی مقبولیت عند اللہ اور مقبولیت عند الخلق اور ان کی ولایت کا جو شہرہ دنیا میں ہے (جبکہ پچھلی امتوں میں کسی ولی تک کا نام محفوظ نہیں ہے) اور اگر سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کو سو درجہ کی شہرت حاصل ہے تو میں عرض کرونگا، اور اس میں گستاخی نہیں سمجھتا کہ پچاس درجہ کی شہرت رابعہ بصریؒ کو بھی حاصل ہے۔

آپ کسی کوردہ سے کوردہ مقام پر چلے جایئے، شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو بچہ بچہ جانتا ہے، یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

دنیا کے کونے کونے میں جا کر دیکھا ہے۔ جہاں چار مسلمان رہتے ہیں وہاں سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ کا نام کسی نہ کسی طریقہ سے خواہ اس پر شریعت کی رو سے کوئی پابندی عائد کی جائے، اور اس پر کلام کیا جائے، مگر مختلف ناموں سے ان کو دنیا میں یاد کیا جاتا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ دوسرے نمبر پر رابعہ بصریؒ کا بھی یہی حال ہے۔ اور ہر پڑھا لکھا آدمی کم از کم رابعہ بصریؒ سے تو ضرور واقف ہے، یہ بات عبادت و ریاضت کی ہے۔

علم کا میدان عورتوں کے کارناموں سے درخشاں ہے

علم کے سلسلے میں مجھے افسوس ہے کہ فضلائے اُمت کی تو سیکڑوں تاریخیں ہیں، مگر فاضلات امت کی تاریخ بہت کم لکھی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ جزائے خیر دے ہمارے مورخین کو اور سوانح نگاروں کو جیسے ابن خلکان، طبقات الشافعیہ الکبریٰ، طبقات حنابلہ وغیرہ، انھوں نے عورتوں کو بالکل نظر انداز نہیں کیا، بلکہ ادبی تاریخوں میں ان کے نام آتے ہیں، میں صرف یہی ایک مثال دیتا ہوں، شاید بہت سے لوگوں کے لیے انکشاف ہو، یعنی خواتین کی علمی کوششوں علمی جد و جہد، علمی ذوق و شوق اور شغف کی کامیابی کی ایک ایسی روشن

مثال ہے جس سے آدمی پر ایک تحیّر قائم ہو جاتا ہے۔ آپ سے پوچھوں کہ قرآن مجید کے بعد اسلام کے پورے کتب خانے اور اس پورے علمی ذخیرے میں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقہ میں اس امت کو عطا ہوا ہے اس کی بنیاد "علم بالقلم" کی وحی سے پڑی ہے اس کے قلم کی حرکت سے جو دنیا میں بے نظیر کتب خانہ تیار ہوا، اس میں کتاب اللہ کے بعد کس کا درجہ ہے تو صحیح جواب ہوگا کہ صحیح بخاری کا درجہ ہے۔ اور آپ کو معلوم ہے کہ صحیح بخاری ہمارے ہندوستان میں ہر مدرسہ کے لئے معیار فضیلت ہے۔ اس کو علماء نے اصح الکتاب بعد کتاب اللہ کہا ہے۔ اللہ کی کتاب کے بعد صحیح ترین کتاب بخاری ہے اور حضرت شاہ ولی اللہؒ نے صحیح بخاری اور صحیح مسلم کے متعلق حجۃ اللہ البالغہ میں لکھا ہے۔

کل من یھون شانہ فھو مبتدع متبع غیر سبیل المومنین

جو ان دونوں کتابوں کی تحقیر کرے اور دونوں کے ساتھ استخفاف کا معاملہ کرے۔ ان کے لئے تنقیص کا کوئی لفظ استعمال کرے یا اس کی اہمیت گھٹائے وہ مبتدع اور متبع غیر سبیل المومنین ہے، اور اس نے مومنین کا راستہ چھوڑ دیا ہے۔

فن حدیث میں عورتوں کا درجہ

آج ہمارے مدارس میں بخاری شریف پڑھائی جاتی ہے، اور پڑھائی جائے گی، آپ کے علم میں ہے کہ وہ بخاری شریف کس کی روایت سے ہے کہ کریمہ کی روایت ہے شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسنؒ نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی اور مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے جو بخاری شریف پڑھی اور پڑھائی، اور شیخ حسین بن محسن انصاری نے بھوپال میں جو درس دیا، اور شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب اللہ تعالیٰ ان کی زندگی میں برکت عطا فرمائے، وہ جو بخاری شریف پڑھاتے رہے وہ کریمہ کی روایت ہے، ایسی مثال کوئی امت پیش کر سکتی ہے، اللہ تبارک وتعالیٰ نے جیسے امام بخاریؒ کے تلامذہ کی کوشش کو بار آور کیا، اور آج دنیا میں ان کا نام باقی ہے ویسے ہی ان کی تلمیذات کی کوششوں کو کچھ زیادہ ہی بار آور کیا، اور یہ چیز ہمارے اسلامی معاشرے میں آخر تک باقی رہی۔

بھوپال سومنا تھ یا سلطنت مومنات

کسی نے حضرت مولانا لطف اللہؒ پر الزام لگایا کہ آپ بھوپال کو سومناتھ کہتے ہیں، آپ نے فرمایا میں نہیں کہتا ہوں میں سلطنت مومنات کہتا ہوں۔

اس سلطنت مومنات میں جس کے تخت سلطنت پر نواب سکندر جہاں بیگم اور نواب شاہ جہاں بیگم جیسی فاضلہ رونق افروز ہوئیں، ایک زمانہ میں وہاں کے مفتی اعظم مولانا مفتی عبدالقیوم صاحب تھے، جو مولانا عبدالحئی بڑہانوی حضرت سید احمد شہیدؒ کے پہلے خلیفہ اعظم کے صاحبزادے تھے) مولانا مفتی عبدالقیوم صاحبؒ کا حال بھوپال کے لوگوں نے بیان کیا۔ اور میرے اُستاذ مولانا حیدر حسین خاں صاحب بیان کرتے تھے کہ ان کے پاس جب کوئی مقدمہ آتا، اور اس میں کوئی فیصلہ نہیں کر پاتے، اور اس فکر میں پڑ جاتے کہ اس مسئلہ میں شرعی حکم کیا ہے تو کہتے ابھی آتا ہوں، اور گھر میں جا کر اپنی اہلیہ جو حضرت شاہ اسحاق صاحبؒ کی صاحبزادی تھیں، پوچھتے کیا، آپ نے اپنے والد صاحب سے کوئی روایت سنی ہے یا اس مسئلہ میں آپ کے علم میں کوئی بات ہے؟ اور آکر فیصلہ کرتے، اور بعض اوقات تو بلا تکلف کہہ دیتے، میں ذرا بیوی صاحبہ سے پوچھ آؤں۔ کوئی مثال ہے اس کی دنیا میں، آج مغرب کے کتنے بڑے دعوے ہیں، اور انکی کیا حقیقت ہے؟

فن ادب میں عورتوں کا درجہ

آپ ادب کے میدان کو لیجئے، ہمارے یہاں ادبیات تک کا حال یہ ہے کہ ولادہ بنت المستکفی جو اسپین کے امراء میں ایک کی صاحبزادی تھیں۔ ان کا نام اب تک روشن ہے، ان کا ادبی ذوق و شعری دربار ایسا منعقد ہوتا تھا، جیسے

بادشاہوں کے دربار منعقد ہوتے تھے، بڑے بڑے اُدباان کے پاس استفادہ کیلئے آتے تھے کہاں تک مثالیں دی جائیں۔ تاریخ کا تو میں طالب علم ہوں۔ میں اس میں تفصیل کے ساتھ جانا نہیں چاہتا۔ میں تو قرآن مجید کے اس اعجاز کا لطف اٹھانا چاہتا ہوں، اور بتانا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے، لا اضیع عمل عامل منکم کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کرتا۔

جہاد میں عورتوں کی خدمات

عورتوں کی شجاعت اور ہمت کی ایک مثال دینا چاہتا ہوں، آپ سب نے مشہور صحابی حضرت عبداللہ بن زبیرؓ کا نام سنا ہوگا۔ حضرت زبیرؓ عوام میں جو صحابی جلیل ہیں، اور عشرہ مبشرہ میں ہیں ان دس خوش قسمت افراد میں ہیں جنکا نام لیکر رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے بشارت دی، ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ بن زبیرؓ بڑے عالم، بڑے فقیہہ اور بڑے بہادر تھے، انھوں نے عبدالملک بن مروان کا مقابلہ کیا، اس کی حکومت نہج نبوت سے ہٹ گئی تھی تو آپ نے کوشش کی کہ اس کو منہاج نبوت پر لے آئیں۔ اور عبدالملک بن مروان کے گورنر حجاج بن یوسف ثقفی سے سخت مقابلہ ہوا، اور وہ شہید ہوئے، اس نے عبداللہ بن زبیرؓ کو پھانسی پر لٹکا دیا، اور کہا کہ جب تک ان کی ماں ان کی سفارش نہیں کریں گی، انھیں نہیں اتاروں گا عبداللہ بن زبیرؓ صحابی ہیں۔ ان کی والدہ حضرت اسماءؓ بنت ابی بکرؓ ذات النطاقین

خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیقؓ کی صاحبزادی ہیں، لوگوں سے یہ منظر دیکھا نہیں جاتا تھا، آنکھوں میں آنسو آجائے تو کیا معنی، لوگ تڑپ تڑپ کر روتے تھے۔ مجبور ہوکر ان کی والدہ صاحبہ کے پاس آئے، اور کہا، خدا کے لئے ہم پر رحم کھائیے۔ آپ کی ہمت میں تو کوئی فرق نہیں، کوئی فقرہ تو ایسا کہہ دیجیے جس سے ہم یہ منظر دیکھنے سے محفوظ ہوجائیں، تو آپ جانتے ہیں کہ اللہ کی اس شیرنی نے، اللہ کی اس بندی نے کیا فقرہ کہا۔ اَلَم یان لھذا الفارس اَن یترجل کیا اس شہسوار کیلئے ابھی وقت نہیں آیا ہے کہ وہ پیدل ہوجائے۔

کن لفظوں میں کہا، اس وقت بھی ان کی فروسیت، بہادری اور شجاعت کہ کیا ابھی اس شہسوار کے لئے وقت نہیں آیا ہے کہ گھوڑے سے اترے۔ حجاج بھی انتظار میں تھا، اس کو بھی لعنت پڑرہی تھی، اور اس نے اس کو بہانہ بنالیا، اور اتارنے کا حکم دیا۔

حضرت خنساءؓ کا صبر و استقامت

آپ میں سے پڑھے لکھے لوگوں نے حضرت خنساءؓ کا نام سنا ہوگا، وہ عربی زبان کی لازوال اور غیر فانی شاعرات میں سے ہیں، ان کے دو بھائیوں کا انتقال ہوگیا تھا، ان کے لئے ایسے دلدوز مرثیے کہے کہ ان مرثیوں کی نظیر عربی مراثی ہی میں نہیں بلکہ عالمی مراثی کے ذخیرے میں ملنا مشکل ہے، میں عربی ادب کا طالب علم ہوں، اس کو پڑھا

ہے یاد کیا ہے، ان کا یہ واقعہ اسلام سے پہلے کا ہے، یہی حضرت خنساءؓ جب اسلام لے آئیں، تو دیکھئے اسلام نے نفسیات میں کیا انقلاب برپا کر دیا، کہ اللہ کی بندی نے اپنے بھائیوں پر رونا شعار بنالیا تھا اور ایسے ایسے مرثیے کہے تھے کہ سننے والا رونے لگتا تھا، اور ان کی شاعری اسی پر مرکوز ہو گئی تھی، لیکن بہر حال بھائی اور بیٹے میں فرق ہوتا ہے، بیٹا جگر کا ٹکڑا ہوتا ہے، ہزار بھائی سے محبت، لیکن بیٹا تو جسم کا ایک جز ہوتا ہے، ایک غزوہ کے موقع پر اپنے بیٹوں کو بلایا، اور ایک ایک کو رخصت کیا، اور کہا، بیٹا پیٹھ نہ دکھانا، میں نے اس دن کیلئے تم کو دودھ نہیں پلایا تھا، اس کے بعد ایک ایک کی شہادت کی خبر سنتی رہیں، اور جب آخری بیٹے کی شہادت کی خبر سنی تو ان کی زبان سے یہ الفاظ نکلے۔

الحمد للہ الذی أکرمنی بشہادتھم	اے خدا تیرا شکر ہے کہ تو نے انکی شہادت سے سرفراز فرمایا، اور اس کی عزت بخشی۔

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کرتا ہے

جس وقت قرآن مجید کی تلاوت ہو رہی تھی، میرا ذہن ایک دم سے ایک عجیب وغریب نکتہ کی طرف گیا، مجھے ایک سرور وکیفیت حاصل ہوئی، اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں اور بندیوں کا الگ الگ ذکر کر رہا ہے، ہم جیسے ٹوٹی پھوٹی عربی جاننے والے اس کو دو جملوں میں ادا کر سکتے ہیں، کہ مرد اور عورت سب شریک ہیں، اس نے

دس صفات کا ذکر کیا ہے، لیکن ہر مرتبہ وہ الگ الگ ضمیر میں لاتا ہے، اور ایک ایک صفت کا ذکر کرتا ہے، اللہ کو اپنی بندیوں سے کتنی محبت ہے۔ اِن المسلمین والمسلمات والمومنین والمومنات والقانتین والقانتات والصادقین والصادقات والصابرین والصابرات والخاشعین والخاشعات والمتصدقین و المتصدقات والصائمین والصائمات والحافظین فروجھم و الحافظات والذاکرین اللہ کثیرا والذاکرات۔ (سورۂ احزاب رکوع ۵)

اگر خدا کا معاملہ نہ ہوتا تو میں کہتا کہ اللہ کو بڑا مزہ آرہا تھا ہر ایک کا الگ الگ ذکر کیا، کسی باپ سے پوچھیے جس کے چار یا سات بیٹے ہوں، اس کا جی چاہے گا ہر ایک کا نام لے کر وہ بتائے اور ہر ایک بار اس کو لطف آئیگا، اللہ تبارک وتعالیٰ کی ذات بہت عالی ہے، انسانی خصوصیات اس کی طرف منسوب نہیں کی جا سکتی۔ لیکن اس کو انسانی ادب و انشاء کے لحاظ سے دوسرے طریقہ سے بھی ادا کیا جا سکتا تھا۔ لیکن ایک ایک کو الگ الگ بیان کیا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اسلام اور ایمان میں تو مرد اور عورت شریک ہو سکتے ہیں، قانتات یعنی فرمانبرداری میں بھی ممکن ہے۔ لیکن صادقین اور صادقات میں تو مشکل ہے، اس میں عورتیں جھوٹ بول دیتی ہیں کچھ اپنی کمزوری چھپانے کیلئے، اپنے کھانے کی خرابی چھپانے کے لئے کبھی اپنے بچے کی بری عادت پر پردہ ڈالنے کے لیے کبھی سوجانے کی کمزوری پر۔ اور عورتیں مردوں کی سچائی کا مقابلہ نہیں کرسکتی ہیں، یہ تو مردانہ کام ہے۔ بہادری کا کام ہے۔

"والصادقین والصادقات" یہ تو ٹھیک ہے، لیکن الصابرین والصابرات وہ صبر کہاں کر سکتی ہیں، ہمیشہ یہی دیکھا ہے، سب سے پہلے ان پر صدمہ کا اثر پڑتا ہے سب سے پہلے ان ہی کی زبان سے فریاد نکلتی ہے بعض وقت ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے، بعض وقت تو اولاد کا غم' اللہ محفوظ رکھے، یا عزیزوں کا غم سب سے پہلے عورت پر پڑتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فطرت انسانی سے واقف تھا، اللہ تعالیٰ دلوں کے چور سے واقف تھا کہ ہم اپنی بہنوں سے بدگمانی کریں گے۔ "الصابرین والصابرات"، جی نہیں صبر کے میدان میں عورتیں کسی حال میں مردوں سے پیچھے نہیں ہیں والخاشعین والخاشعات"، اب آیا معاملہ مال کا تو عورت مرد کا مقابلہ نہیں کر سکتی۔ حاتم کا نام تو سنا ہوگا، لیکن حاتمہ کا نام نہیں سنا ہوگا۔ اس لئے صدقہ میں عورتیں کیا دیں گی وہ تو جمع کرنے والی ہیں وہ بڑی سگھڑ عورتیں ہیں، بہت گرہست عورت ہے، یعنی بچا بچا کر رکھنے والی، اس نے فرمایا، "والمتصدقین والمتصدقات"، اچھا صاحب روزہ بڑا مشکل معاملہ ہے۔ "والصائمین والصائمات والحافظین والحافظات والذاکرین والذاکرات أعد اللہ لھم مغفرۃ واجراً عظیماً۔

اعمال کی یہ طویل فہرست اس لئے بیان کی، تاکہ معلوم ہو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ جس طرح اپنے بندوں پر شفقت کرتا ہے اسی طرح اپنی بندیوں پر شفقت کرتا

ہے۔ اس کی صفت ربوبیت اور اس کی صفت رحمت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے عام اور ان پر سایہ فگن ہے۔

عورتیں فضائل انسانی میں مردوں کے پیچھے نہیں

ان آیتوں سے یہ تعلیم ملتی ہے کہ بی بیبیاں اور شریف بیٹیاں اور خواتین سمجھیں کہ فضائل انسانی اور مکارم اخلاق میں، فضائل اعمال میں وہ مردوں سے پیچھے نہیں ہیں، اور ان کو مردوں کے برابر اجر وانعام ملے گا، الحمد للہ قرآن مجید کے حفظ کا تو رواج بہت رہا ہے، میرے علم میں ایک ایک گھر میں دو دو چار چار بیبیاں حافظہ رہی ہیں، اور میرے عزیزوں میں والد بھی حافظ اور والدہ بھی حافظہ، اور مجھے یہ شرف حاصل ہے کہ میری والدہ حافظہ تھیں، اس کے علاوہ قرآن و حدیث سے بھی واقفیت تھی، اور اس زمانہ میں بزرگوں نے جو نصاب بنایا تھا، اگرچہ وہ اردو میں تھا، مگر بڑا جامع اور نافع تھا، یہ بہشتی زیور جو اردو میں ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے ایسی مقبولیت عطا فرمائی کہ بہت کم کتابوں کو اتنی مقبولیت ملی۔ بہشتی زیور خود ایک بڑا اور مکمل کتبخانہ ہے، اور ہزاروں اور لاکھوں انسانوں نے اس سے فائدہ اٹھایا ہوگا، اس کے علاوہ طب انسانی کی کتابیں پڑھائی جاتی تھیں۔

میں نے بھی جس زمانہ میں ہوش سنبھالا ایک بہت اچھی رسم تھی، اور یہاں بھی جنوبی ہند میں اگر وہ رائج ہو تو ایک بہت اچھا اضافہ ہوگا، جب کوئی تاثر کا موقع

ہوتا، یا جوش کا موقع ہوتا، اور مستورات بڑی تعداد میں جمع ہوتیں تو بلاذری کی فتوح الشام پڑھی جاتی تھی، فتوح الشام تو عربی میں ہے، ہمارے ہی خاندان کے ایک بزرگ سید عبدالرزاق صاحب کلامی نے اس کو پچیس ہزار شعروں میں صمصام الاسلام کے نام سے ترجمہ کیا ہے، اور وہ نول کشور پریس میں چھپی ہے، کاندھلہ کے خاندان میں بھی اس کا رواج تھا، اور صمصام الاسلام پڑھی جاتی تھی، گویا اب وہ شاہنامہ اسلام ہے، اس میں خالص اسلامی جنگیں، جہاد فی سبیل اللہ، اور جس میں صحابۂ کرامؓ اور صحابیاتؓ شریک تھیں، اس کو بڑے اثر اور ترنم کے ساتھ اور رجز خوانی اور جوش کے ساتھ میرے گھر کی کوئی عزیزہ، میری خالہ جو حافظ قرآن تھیں یا ہمشیرہ مرحومہ پڑھتی تھیں، تو ایک سماں بندھ جاتا تھا، اور لوگ اپنا غم بھول جاتے تھے، ہم بچے تھے، کسی کام یا پیسے لینے اپنی ماں یا ہمشیرہ کے پاس آتے تھے، تو دیکھتے تھے کہ وہ رو رہی ہیں، اتنا اثر ہوتا کہ میں بیٹھ جاتا۔

شروع شروع میں کئی شہروں مثلاً دمشق، حلب، حمص، یرموک اور باب طوما کے نام اسی کتاب سے سیکھے تھے۔ اور جب حمص میں میرے استقبال میں وہاں کے اخوان المسلمین کے مرکز میں ایک بڑا جلسہ ہوا، تو میں نے ان سے کہا، آپ حضرات کو معلوم ہے، ہم اسلامی جوش کہاں سے حاصل کرتے ہیں؟ ہم اسلامی جوش فتوح الشام سے حاصل کرتے ہیں، اور میں نے ذرا تفصیل سے حلب اور حمص کے جلسوں میں سنایا۔ ہمارے یہاں عادت تھی کہ جب بیبیاں جمع ہوتی تھیں، تو جو جنگ کے

واقعات آپ کے یہاں پیش آئے ہیں اور لڑائیاں ہوئی ہیں، ان کو عربی سے اردو اشعار میں ہمارے ایک بزرگ نے ترجمہ کیا ہے، اور ہندوستانی مسلمانوں نے خود کو ہندوستان کے قومی دھارے کے حوالہ نہیں کیا ہے اور وہ اپنے تشخص کو قائم رکھے ہوئے ہیں، نبی عربی سے اس کا تعلق برقرار ہے، اور میں نے ان کو غیرت دلائی کہ آپ آج عربی قومیت کے دامن میں پناہ لے رہے ہیں، آپ نے تو ہم کو ہندی قومیت کے فتنہ سے بچایا، اس کے لئے ہم مطعون ہوئے ہیں، اور لوگوں نے کہا۔
رہتے ہیں ہندوستان میں، کھاتے ہیں یہاں، اور گاتے ہیں عرب کا۔ ع

میرے آقا بلالو مدینہ مجھے

یہ ہندوستان کے پورے وفادار نہیں ہیں، ہم نے آپ کی خاطر یہ طعنے سنے اور آپ ابوجہل، ابولہب کی قومیت کی طرف واپس جائیں۔ عربوں پر ایک عجیب تاثر ہوا، اور مجھ سے لوگوں نے اس تاثر کا اظہار بھی کیا۔

یہ ہمارے یہاں ایک رسم تھی اور ہم چاہتے ہیں آج بھی اس کو زندہ کیا جائے اور وہ کتاب اب بازار میں ملتی ہے کہ نہیں، لیکن صمصام الاسلام کے نسخے اب بھی منگوائے جاسکتے ہیں، اور اسی طرح کئی دوسری کتابیں مثلاً مدس حالی پڑھی جائے، اس سے انشاءاللہ ایک طرف تو ایمانی حرارت پیدا ہوگی، اور اسلامی ثقافت میں اضافہ ہوگا۔

ہم ۱۹۵۱ء میں شام گئے تھے وہاں سے ایسے مانوس اور واقف تھے گویا میں اس سے پہلے آچکا ہوں، باب طومہ ہم جانتے تھے کہ یہاں پر فلاں معرکہ پیش آیا۔ اور اسطرح بہت سے ایسے مقامات جنکے نام بعض پڑھے لوگوں نے نہیں سنے تھے، میں ان سے واقف تھا۔

ہم زندگی کیسے گذاریں

اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے ہم کو اسلام عطا فرمایا

اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو مسلمان پیدا کیا مسلمان گھروں میں پیدا کیا اور ایمان نصیب فرمایا، اور شریف گھرانوں میں ہم نے آنکھیں کھولیں، اور پھر اللہ تعالیٰ کا اور زیادہ فضل ہے کہ دیندار گھرانوں میں ہماری پرورش ہوئی، اور پھر یہ احسان عظیم فرمایا کہ مردوں سے اللہ تعالیٰ نے تبلیغی کام شروع کرایا، اور اس کی برکات گھروں تک پہونچیں، اور اب تو اللہ کے فضل وکرم سے گھروں میں ہماری مائیں، بہنیں تبلیغی کام کرنے لگی ہیں۔ اس کی برکت سے ہم اچھا برا سمجھنے لگے، حرام حلال، نیک وبد، جائز ناجائز، اللہ کس چیز سے راضی یا ناراض ہوتا ہے، اس کی کچھ سوجھ بوجھ ہونے لگی، اور اس کی پوچھ گچھ بھی شروع ہوئی، کہ زندگی کی کون کون سی چیزیں اللہ ورسول کو پسند ہیں، اور کون کون سی چیزیں ایسی ہیں جو اللہ کو ناپسند ہیں، معاشرت کیسی ہونا چاہیئے، گھروں میں رہنا سہنا کیسا ہونا چاہیئے لباس اور کپڑے کس طرح کے ہونا چاہئیں کہ شریعت کے مطابق ہوں، کون سے

شریعت کے خلاف ہیں، ان باتوں کا اب گھروں میں تذکرہ ہونے لگا ہے۔

مغربی تہذیب کا اصول "کھاؤ پیو مست رہو"

آپ سب اس ملک میں آئی ہیں، یہاں بہت دنوں سے یا سینکڑوں برس سے خدا کا خوف، شرم وحیا، لحاظ اور تہذیب نہیں رہی، یہاں صرف ایک ہی کام رہا، کھاؤ، پیو، اور مست رہو، چنانچہ انگریزوں میں کہاوت ہے "کھاؤ پیو مست رہو مگن رہو"، یہ مگن رہنا ان کے یہاں زندگی کا اصول ہے جس میں آدمی مگن رہے مست رہے، موت کبھی بھول کر بھی یاد نہ آئے کہ ہم کو مرنا ہے ہم کو خدا کے سامنے جانا ہے، یہاں جو مزے اڑائے ہیں، گلچھرے اڑائے ہیں ان کا جواب دینا ہے یہاں جو موج اڑائی ہے اس کا پائی پائی حساب دینا ہے۔

یہاں زندگی کا اصول یہ ہے کہ آدمی موت کو بھولا رہے، آخرت کو بھولا رہے اللہ اور رسولؐ کو چھوڑے رہے، اور صرف عمدہ سے عمدہ کھانا، اچھی سے اچھی صحت بنانا، جوانی کا مزہ اڑانا اور دولت کے مزے اڑانا یاد رکھے، یہ یہاں کی زندگی کا اصول بن گیا ہے۔

لیکن خدا کے فضل وکرم سے ہمارا جس مذہب سے تعلق ہے اور جس ملک سے تعلق ہے، اور جن لوگوں سے تعلق ہے، ان کی زندگی کا اصول یہ نہیں ہے، انکو تو یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا تو کافر کی جنت اور مسلمانوں کا جیل خانہ ہے، جیل خانہ میں آدمی

موج نہیں اڑاتا، جیل خانہ میں آدمی آزاد نہیں ہوتا، کہ گھومنے پر آیا تو گھومتا چلا گیا، کھانے پر آیا تو کھاتا چلا گیا، جو دل میں بات آئی، جو من چاہت ہوئی، بس وہ کر گذرے، کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی پابندی نہیں، جیل خانہ ہے تو گھومنے پھرنے کی جگہ بھی تو نپی تلی۔ کھانے کا حساب بھی نپا تلا، کھانے کو جی کچھ چاہتا ہے، مل کچھ رہا ہے، پسند کچھ ہے اور کھلایا جا رہا ہے کچھ، کبھی پہننے کو جی چاہا، کبھی سیر کا جی چاہا، ہوا خوری کا جی چاہا، مگر یہ تو چہار دیواری، یہ تو جیل کی کوٹھری، اور کافر کے لئے کیا ہے؟ بس ایک بہت بڑا پارک، ایک بہت بڑا باغ، ایک بہت بڑا چمن، چاہے لوٹے پوٹے، چاہے گھومے، چاہے ننگا پھرے، چاہے چلائے، چاہے چیخے، چاہے بیل کی طرح چلے، کھائے پئے کوئی بولنے والا نہیں، کوئی پوچھنے والا نہیں، تو " دنیا کافر کی جنت اور مومن کا جیلخانہ ہے"۔

دنیا میں اسطرح رہو جیسے کہ تم پردیس میں ہو

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا

کن فی الدنیا کانک غریب — دنیا میں اسطرح رہو جیسا کہ تم پردیس میں

او عابری سبیل — ہو، یا کہ راستہ چلتے مسافر۔

جو مسافر ہوتا ہے اس کا جی کہیں نہیں لگتا، وہ کسی جگہ اپنا گھر نہیں بناتا، کسی اسٹیشن پر ٹھہر نہیں جاتا، دیکھتا سب کچھ ہے، گزرتا سب جگہ سے ہے، لیکن

اپنے وطن کو نہیں بھولتا، اور نہ اپنی منزل کو بھولتا ہے، کہاں سے چلے تھے اور کہاں جانا ہے، اور جہاں جانا ہے وہاں سے کام کر کے فوراً آنا ہے، جیسے چڑیاں دن بھر اڑتی رہتی ہیں، جیسے کبوتر ہو مینا ہو جو دن بھر اڑتی رہتی ہیں، اور دن بھر جگہ جگہ سے دانہ چگتی رہتی ہیں، لیکن اپنے آشیانہ کو اپنے گھونسلہ کو بھولتی نہیں کہ کہیں اور پہونچ جائیں، لیکن شام ہوئی کہ سیدھے اپنے گھر واپس آتی ہیں، کسی شاخ پر ہی تنکوں اور پتوں کا بنا ہوا گھونسلہ، دن بھر چاہے کسی امیر کے محل پر جا کر بیٹھے چاہے کسی اونچی سے اونچی کوٹھی پر جا کر اپنا چارہ تلاش کرے، شام ہوئی تو اپنا گھر یاد آیا، بال بچے یاد آئے، اڑ کر وہاں پہونچیں، یہی مومن کا حال ہے کہ دنیا میں سارا دن گھومتا پھرتا رہے، کام کاج کرے، دوکان پر بیٹھے، دس دس گھنٹے ڈیوٹی دے، لیکن اس کو اصلی بستی نہیں بھولتی، اس کو قبر کا کونا نہیں بھولتا، وہاں سینکڑوں ہزاروں برس سونا ہے، اس کو آخرت نہیں بھولتی، بس شام ہوئی، یعنی جیسے ہی دنیا کا کام ختم ہوا، اپنے اصلی وطن کی راہ لی۔

مسلمان کو اپنا اصلی وطن نہیں بھولنا چاہیئے

مسلمان کی زندگی ایسی ہی ہونا چاہیئے، ہمارے لئے ہندوستان، فرانس، جرمنی اور بڑے سے بڑے ملک امریکہ، کنیڈا سب برابر، ہم کہیں بھی ہوں اپنا وطن نہیں بھولنا چاہیئے، چاہے وہ محل ہو یا جھونپڑا لیکن دل ہمارا خدا کے پاس رہنا

چاہیئے، ہمارا جسم کہیں بھی ہو ہم کو اصل جگہ کبھی نہیں بھولنا چاہیئے، جہاں ہم کو مدتوں رہنا ہے وہ قبر کا کونا ہے جہاں اندھیرا ہے، قبرستان جو جنگل میں ہے، شہر کی آبادی سے دور، جہاں نہ شہر کے بچوں کی آواز پہونچ سکتی ہے نہ بڑوں کی، وہاں تو آدمی ہے اور اس کا عمل، جو نمازیں ٹوٹی پھوٹی پڑھیں، جو کلمہ پڑھا، درود شریف پڑھا، وہ وہاں کام دے گا۔ اسی سے وہاں دل لگے گا، وہی وہاں کا تکیہ، وہی وہاں کا بچھونا، وہی وہاں کی روشنی، وہی وہاں کا چراغ، وہی وہاں کی گنجائش اور وسعت، ورنہ وہ کونا جہاں آدمی کروٹ بھی نہ لے سکے، وہاں جو کچھ کام آئیگا، وہ نور ایمان کام آئے گا، اللہ کا نام کام آئے گا، زندگی میں اللہ کے ساتھ جو تعلق پیدا کیا ہے وہ کام آئے گا، نمازیں اگر یہاں دل لگا ہے تو وہاں بھی دل خوش ہو گا، اگر کلمہ نماز اور ایمان کی باتوں میں دل نہیں لگا ہے اور طبیعت ہمیشہ اچاٹ رہی، اور وہی کپڑوں میں، زیور میں، کھانے پینے میں، کوٹھی میں، موٹر میں اگر دل پھنسا رہا تو وہاں وحشت ہو گی، وہاں ان میں سے کوئی چیز موجود نہ ہو گی، یہ چیزیں تو کیا ہونگی، باپ بھی مدد کرنے کے لئے ماں بھی دلاسہ دینے کے لئے بیٹی بھی خدمت کرنے کیلئے، بیٹے بھی سلوک کرنے کے لئے وہاں موجود نہ ہوں گے، وہاں نہ ماں کی شفقت ہو گی، اور نہ باپ کی مہربانی، اور نہ اولاد کی سعادت مندی ہو گی اور نہ بیٹیوں کی خدمت، وہاں وہی ایک نام اللہ کا، اللہ کا نام کام آئے گا۔ اور ایمان کا نور کام آئے گا، نماز روزہ کا نور کام آئے گا، قرآن کی روشنی کام

آئے گی، اور جو اللہ کا ذکر کیا ہے بس وہی کام آئے گا۔

حدیث میں ہے کہ "قبر جنت کی باغوں میں سے ایک باغ ہوگی یا دوزخ کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا"، وہاں جو کام آنے والی چیزیں ہیں وہ خود کچھ نہیں یہیں کے اچھے عمل باغ بن جائیں گے، انھی اچھے اعمال سے جنت میں ہوائیں آئیں گی، حدیث میں آتا ہے کہ قبر میں جنت کی کھڑکی کھول دی جاتی ہے، وہاں انکو پہلے سے جنت کی ہواؤں کے جھونکے آنے لگتے ہیں، خوشبوئیں آنے لگتی ہیں، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہی ہمارا ٹھکانا ہے، اور حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ مرنے کے وقت اور مرنے کے بعد اس کا ٹھکانا اس کو دکھا دیا جائے گا، کہ تمہارا ٹھکانا جہنم ہے یا جنت، اور یہ بھی حدیث میں ہے کہ اگر کسی کے اچھے عمل ہیں، ایمان سلامت لے کر گیا ہے تو اس سے کہا جاتا ہے "نم کنومۃ العروس" سو رہو جیسے کہ دلہن سوتی ہے"

قبر کی فکر ہی اصل فکر ہے

اس گھر کی فکر کرنا چاہیئے اور جو چیزیں وہاں کام آنے والی ہیں، ان کی فکر کرنا چاہیئے، یہاں کے سامان کا حال یہ ہے کہ بچپن کا سامان جوانی میں کام نہیں آتا، جوانی کا سامان بڑھاپے میں کام نہیں آتا، بچپن میں جو کپڑے تھے جوانی میں پہنے نہیں جاتے، اور جوانی میں جو کپڑے ہیں وہ بڑھاپے میں پہننا مناسب

نہیں، یہ تو جوانی کے شوق تھے، بڑھاپے کا کپڑا اور ہوتا ہے، اور اب تو دو مہینے پہلے کے کپڑے اس زمانہ میں کام نہیں آتے، یہاں یورپ پر تو ایسی مصیبت آئی ہے، اور اس کی بدولت ساری دنیا پر، یہاں مہینے دو مہینے میں فیشن بدل لیتے ہیں، پہلے فیشن کے مطابق جو کپڑے بنا لئے، اب جب فیشن بدل گیا تو بالکل پرانے اور دقیانوسی معلوم ہونے لگتے ہیں، اور ان کو پہن کر شادیوں میں جانا معیوب سمجھا جاتا ہے، ایسی بے مروت، آنکھ چرانے والی، اور منھ موڑنے والی، اور جلدی سے جلدی بدل جانے والی تہذیب اس پر آدمی اگر دل لگائے تو اس سے زیادہ بے عقل کون ہوگا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جب ستارہ دیکھا تو کہا کہ یہ تو بڑا چمکدار ہے کچھ تعجب نہیں کہ دنیا کا پیدا کرنے والا ہو، اب جو ستارہ غروب ہوا، اور ڈوب گیا تو انھوں نے کہا کہ یہ تو کچھ نہیں، اس کا کوئی بھروسہ نہیں، پھر چاند دیکھا تو کہا سبحان اللہ، چاند کا کیا کہنا، کیسی روشنی، ساری دنیا روشن، ساری دنیا میں چاندنی پھیلی ہوئی ہے، انھوں نے کہا، شاید یہی خالق ہو، پھر غروب ہوا تو کہنے لگے، یہ بھی کچھ نہیں، اس کا بھی کچھ زور نہیں، اس کا بھی بھروسہ نہیں، پھر جب سورج نکلا، اور انھوں نے اس کی چمک دیکھی، اور دن ہوا تو کہنے لگے، واہ

واہ، اس سے بڑھ کر تو کوئی روشن نہیں، ستارہ بھی اس کے سامنے ماند، اور چاند بھی اس کے سامنے شرمندہ، بس یہ سورج ہی سورج ہے، پھر جب سورج بھی ڈوبنے لگا، تو کہنے لگے "لا أحب الأفلين"، میں ایسے منھ چھپانے والوں اور ایسے بے مروتوں اور ایسے آنکھ بند کر لینے والوں سے اپنا دل نہیں لگا سکتا، جس کے ساتھ دل لگائے، وہ حی قیوم، وہ ہمیشہ رہنے والی ذات ہو، ہمیشہ ساتھ دینے والی ذات ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دیا ہوا سبق یاد رکھنا چاہیئے

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو ہمارے آپ کے مورث اور پیغمبر ہیں، اور سب سے اخیر میں آنے والے پیغمبر کے دادا بھی ہیں، انھوں نے یہ سبق دیا کہ جو بے مروت ہو، جو آنکھیں پھیرنے والا ہو، اس سے دل نہیں لگانا چاہیئے، جوانی بھی ایسی ہی دولت ہے، اور طاقت، زندگی یہ سب منھ چھپانے والی، ساتھ چھوڑ دینے والے، بچھڑ جانے والے اور بے وفا اور بے مروت، طوطا چشم، ان سے دل لگائے تو اس سے بڑھ کر کوئی حماقت نہیں، اگر کسی نے یہ سمجھا کہ بس جوانی میں جوانی کے کام کرنا چاہیئے، اور کچھ لحاظ نہ کرنا چاہیئے، تو جب بڑھاپا آئے گا، اور یہ رنگ وروپ یہ شکل وصورت باقی نہیں رہے گی، اس وقت معلوم ہوگا کہ ہم نے اس بے وفا جوانی کی وجہ سے اس رحمن ورحیم خدا کی نافرمانی کی، خدا کی رحمت کبھی ساتھ

نہیں چھوڑتی، وہ ہمیشہ کام آتی ہے، وہ اندھیرے میں، اجالے میں، امیری میں غریبی میں، جوانی و بڑھاپے میں، وطن و پردیس میں ہر جگہ اور ہمیشہ ساتھ دینے والی ہے "واللہ معکم" اللہ تمہارے ساتھ ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے "تم تین ہوتے ہو چوتھا خدا ہوتا ہے چار ہوتے ہو تو پانچواں خدا ہوتا ہے، تھوڑے ہوتے یا بہت ہوتے ہو، بازار میں ہوتے ہو یا گھر میں ہم ساتھ ہوتے ہیں" اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے، ہر ایک کو دیکھنے والا ہے ہر ایک کی مدد کرنے والا ہے۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "واذا سألک عبادی عنّی فانی قریب" جب میرے بندے میرے متعلق پوچھتے ہیں کہ خدا کہاں ہے تو کہہ دو کہ میں قریب ہوں، وہ ہر پکارنے والے کی پکار سنتا ہے، تو ایسے خدا، ایسے مالک مہربان، ایسے شفیق و رحیم، ایسے کریم، ایسے ناصر و معین، ایسے مدد کرنے والے، ایسے رحم کھانے والے، ایسے سہارا دینے والے خدا کا ساتھ دیا جائے یا بے وفا جوانی کا، بے وفا حسن و جمال کا، یا بے وفا ساتھیوں بے وفا رفیقوں کا، یا باتیں بنانے والی سہیلیوں اور بہنوں کا، یا ایسے فیشن کا جو صبح ہے تو شام اس کا ٹھکانہ نہیں، شام ہے تو صبح اس کا ٹھکانہ نہیں، اس کا ساتھ دیکر اللہ کی نافرمانی کرے، اس سے بڑھ کر کون حماقت اور بے عقلی ہو سکتی ہے، اس خدا کا کیوں ساتھ نہ دے جو ہر وقت ہمارے ساتھ ہے، یہاں بھی کام آئے گا، اور قبر میں بھی، اسی کی ہی دست گیری کام آئے گی، اور حشر میں وہی ہے، اور کوئی ہے ہی نہیں۔

اس خدا سے تعلق پیدا کرنا چاہیئے، اس سے انس پیدا کرنا چاہیئے، اس سے
ایسی جان پہچان پیدا کر لینی چاہیئے، اس پر ایسا بھروسہ ہونا چاہیئے، ایسا اس کے
ساتھ تعلق ہونا چاہیئے، کہ آدمی کو ہر وقت ایک ڈھارس رہے. ہر وقت حوصلہ رہے
ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے، ہمارا کوئی کیا بگاڑ سکتا ہے. ہماری دولت کو کوئی اگر
لے لے تو ہمارے ایمان کو تو کسی نے نہیں لیا، اگر ہماری جوانی ختم ہو گئی تو ایمان تو ختم
نہیں ہوا، خدا کا ساتھ تو نہیں چھوٹا، اگر دولت نے منھ چھپا لیا، اور بے وفائی کی
اگر شوہر نے بھی بے وفائی کی، تو کوئی رنج نہیں، ہمارا خدا ہمارے ساتھ ہے، اگر خدا
ہمارے ساتھ ہے تو سب کچھ ہمارے ساتھ ہے۔

جس نے بادشاہ کو لیا اس کو سب ملا

ایک قصہ ہے کہ ایک بادشاہ نے بہت موج میں آکر رعیت سے کہا کہ آج جس
چیز پر جو ہاتھ رکھ دے گا، وہ چیز اس کی ہو جائے گی. بس کیا پوچھنا، بن آئی لوگوں کی
وہاں جو امراء وزراء، غلام باندیاں اور خواص موجود تھے جس کو جو چیز پسند آئی، اس
نے اس پر ہاتھ رکھ دیا، کسی نے بادشاہ کے تاج پر ہاتھ رکھا، کسی نے تخت پر ہاتھ
رکھا، کسی نے فانوس پر، غرض کہ جس جس پر ہاتھ رکھتا گیا، وہ چیز اس کی ہوتی گئی،
ایک غلام کھڑا ہوا تھا، اس نے کچھ نہ کہا، بت بنا کھڑا رہا، بادشاہ کی نظر جب اس
پر پڑی تو اس نے کہا کیا تم کو یقین نہیں آیا، دیکھتے نہیں کہ جس نے جس پر ہاتھ

رکھدیا وہ اس کا مالک ہوگیا، اس نے جواب دیا کیا واقعی ایسی ہی بات ہے، بادشاہ نے کہا کہ اللہ کے بندے کیا تو دیکھ نہیں رہا ہے، کیا قسم کھانے تحریر لکھنے کی ضرورت ہے، اس نے کہا کہ یہ تو ہیں بے وقوف، مجھے اللہ نے عقل و سمجھ دی ہے، کسی نے تاج لیا کسی نے تخت، کسی نے موتی لیا تو ہیرا نہیں ملا، کسی نے ہیرا لیا تو موتی نہیں ملا، کسی نے گھوڑا لیا تو پالکی سے محروم رہا، پالکی لی تو گھوڑا ہاتھ نہیں آیا، یہ کہکر اس نے بادشاہ پر ہاتھ رکھدیا، کہ میں نے تو اس کو لیا، جس نے بادشاہ کو لیا، اس کو تخت بھی ملا، تاج بھی، گھوڑا بھی ملا، طاؤس بھی، گھر بھی ملا گھر کا سامان بھی، اس کو عزت بھی ملی اور طاقت بھی۔

یہی ہماری مثال ہونا چاہیئے، آج ایسے افراد ہر جانب ملیں گے جو فیشن پر جان دینے والے، کپڑوں، موٹروں کے شوقین، جوانی اور دولت پر فدا ہونے والے ہونگے لیکن مسلمان عورتوں کو تو صرف اللہ کا طالب ہونا چاہیئے، اللہ کی محبت حاصل کرنے کی کوشش کرنا چاہیئے کہ اللہ کی نظر عنایت اس کی طرف ہو جائے پھر سب کچھ اس کا ہے۔

بی بی مُرغی پال لو

خاندان مجددی کے ایک بزرگ، شاہ محمد یعقوب صاحب مجددی کہانیوں اور قصوں میں بڑی اونچی اونچی باتیں سمجھایا کرتے تھے، انھوں نے ایک قصہ سنایا۔

"بھوپال میں بیگمات کا دور تھا، ایک بیگم بہت پریشان تھیں، ایک پیر صاحب کے پاس آئیں، کہنے لگیں، پیر صاحب میں بہت پریشان ہوں، میرے شوہر مجھے پوچھتے نہیں، پہلے تو بہت خیال کرتے تھے، لیکن اب ان کا دل مجھ سے پھر گیا ہے، مجھے سخت تکلیف ہے، اولاد بھی میرا خیال نہیں کرتی، شوہر کی نگاہ کیا پھری، ساری دنیا کی نگاہیں پھر گئیں، سرکار میرے لئے دعا کریں، انھوں نے پوری رام کہانی سنی اور کہنے لگے، بی بی مرغی پال لو، اب وہ بڑی پریشان، کہ پیر صاحب کو کیا ہو گیا، کل تک تو خوب سنتے تھے، اب اونچا سننے لگے، تو ذرا زور سے پکار کر کہا، حضرت صاحب، میرے لئے دعا کیجئے، میں بہت پریشان ہوں، پیر صاحب نے آہستہ سے کہا، بی بی میں کہہ رہا ہوں کہ مرغی پال لو، اب وہ پریشان کہ آج پیر صاحب کو کیا ہو گیا ہے میں تو ان سے دعا کے لئے کہتی ہوں، اور پیر صاحب مرغی پالنے کو کہتے ہیں، پھر عرض کیا کہ حضرت میں سمجھی نہیں، آپ ذرا اچھی طرح سمجھا دیں، تو پیر صاحب نے فرمایا، بی بی صاحبہ ایک قصہ ہے، قصہ سے بات خوب سمجھ میں آجائے گی، دو گھر قریب قریب تھے ایک امیر گھر تھا کھاتا پیتا، اور ایک ذرا غریب گھر تھا، بیچ میں ایک دیوار تھی، اس دیوار میں ایک کھڑکی تھی، تو جب اس غریب گھر میں کوئی مہمان آتا تو غریب گھر والی پڑوس کے گھر میں منھ ڈال کر کہتی کہ مہمان ناوقت آگئے ہیں، کچھ انتظام ممکن نہیں ہے ایک انڈا دے دو تو کام چل جائے، ایک بار ہوا، دو بار ہوا، اور جب بار بار یہ واقعہ پیش آیا تو جل کر کہنے لگی کہ بی ہمسائی ایک مرغی پال لو نا، قصہ ختم ہو جائے

فرصت ہو جائے گی، تو بیگم صاحبہ میں تم سے وہی کہتا ہوں کہ اللہ کے ساتھ تعلق قائم کرلو، اللہ سے دعا کرنا، مانگنا سیکھ لو، سب مشکلیں آسان ہو جائیں گی۔"

سب کاموں کی کنجی اللہ سے تعلق

وہی میں آپ سب سے کہتا ہوں، اللہ کو یاد کرنا، اللہ سے مانگنا، اللہ کو راضی رکھنا سیکھ لیجئے، سب کام بن جائیں گے۔ دنیا کی جتنی چیزیں ہیں، سب بے وفا، بے مروت، طوطا چشم ہیں، جوانی ہے صحت خراب، قصہ ختم۔ صحت ٹھیک تو کاروبار فیل تو سب بے کار، اگر خدا کو محبوب رکھے تو جوانی بھی ہے صحت بھی ہے اور سب کچھ ہے۔

ساری مشکلوں، مصیبتوں کا علاج ایک اللہ کا تعلق پیدا کرنا ہے، وہی سب کچھ کرتا ہے، اللہ کی نیک بندیوں کے حالات پڑھو کہ انھوں نے کسی چیز میں دل نہیں لگایا، نہ جوانی میں نہ صحت میں نہ طاقت اور حسن وجمال میں، انھوں نے صرف اللہ کے ساتھ تعلق پیدا کیا، اللہ کا نام لینا، راتوں کو اٹھنا، توبہ واستغفار کرنا، درود شریف پڑھنا، تلاوت قرآن کرنا، اسلامی عقائد نیز بچوں کی پرورش کرنا توحید کے بیج ان کے دل میں بونا، گناہ کی نفرت پیدا کرنا، اللہ کا نام سکھانا، اسلامی آداب اور اخلاق کی تعلیم دینا، یہ انکے مشغلے رہے، نتیجہ یہ کہ گھر کا ماحول اسلامی، دل خوش، اللہ راضی تو سب راضی، اگر اللہ ناراض تو سب ناراض۔

اللہ تعالیٰ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات سے فرماتا ہے۔

ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ (سورہ احزاب رکوع ۴) اور جاہلیت قدیم کے مطابق اپنے کو دکھاتی مت پھرو۔

تمہارا دل گھروں میں لگنا چاہیئے، سنیما گھروں میں نہیں محفلوں اور بازاروں میں نہیں، تمہاری جگہ، تمہاری سلطنت تمہارا گھر ہے، غریب ہو یا امیر باہر نکلو گی تو تم وہ نہ رہو گی جو گھر میں ہو، گھر میں تمہارا حکم چلے گا، اولاد تمہاری خدمت کریگی گھر سکون واطمینان کی جگہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول صلے اللہ علیہ وسلم کی بیویوں کے لیے جو پسند کیا وہی تم کو اپنے لئے پسند کرنا چاہیئے، وہی ہمارے لئے نمونہ ہے، اسلام سے پہلے کا زمانہ جو جاہلیت کا زمانہ تھا اس کی طرح بناؤ سنگھار نہ کرو، نماز پڑھو زکوٰۃ دو، نماز کیلئے جگہ مقرر کرو، جگہ پاک وصاف ہو کہ وہاں تسبیح پڑھ سکو، دینی کتابوں کا مطالعہ کر سکو، اپنے بچوں کو دین کی باتیں سکھا سکو، جو وقت بچے اس میں شوہر کی خدمت کرو،

حضرت مولانا الیاس صاحبؒ، مولانا محمد یوسفؒ اور شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب دامت برکاتہم کی ماؤں کے قصے پڑھیئے، وہ کیسی عابدہ زاہدہ تھیں، انکی راتیں کیسی گذرتی تھیں، دن کیسے گزرتے تھے نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ نے انکو ایسے فرزند عطا فرمائے، جن کے نور سے سارا عالم منور ہے۔

اب جو اولادیں ماں کی گود میں پلتی ہیں ظاہر ہے کہ وہ کیسی ہونگی، جیسی گود ویسی اولاد، جب وہ زبان سے اللہ کا نام نہ لیں گی، تلاوت نہ کریں گی، تو کیا اثر ہوگا۔

ابتدائی نقوش

ماہرین تعلیم و تربیت اور علمائے نفسیات نے اس حقیقت پر بہت زور دیا ہے کہ بچہ کے ذہن کی سادہ تختی پر جو ابتدائی نقوش پڑجاتے ہیں، وہ کبھی نہیں مٹتے، اور خواہ ان کو مٹا ہوا سمجھ لیا جائے، لیکن درحقیقت وہ مٹتے نہیں، دب جاتے ہیں، اور وقت پر ابھرتے ہیں۔

اس حقیقت کو تسلیم کر لینے کے بعد ماؤں اور بچہ کی تربیت کرنے والوں کی ذمہ داری بہت بڑھ جاتی ہے جو اس سادہ تختی پر آسانی کے ساتھ اچھے سے اچھے نقش بنا سکتے ہیں، اور جن کو کوئی طاقت اور کوئی تعلیم و تربیت آسانی کے ساتھ مٹا نہیں سکتی۔

مجھے اس مختصر سے مضمون میں ان چند ابتدائی نقوش کا ذکر کرنا ہے جو بچپن کی سادہ لوح پر ثبت ہوئے، اور جن کا فیض میری زندگی میں برابر شامل رہا۔

ان میں سے ایک بات تو یہ ہے کہ میری والدہ نے بچپن سے اس بات کا بڑا خیال اور نگرانی رکھی کہ میں کسی پر ظلم نہ کرنے پاؤں اور کسی کا دل نہ دکھاؤں، بچہ کے

پاس طاقت ہی کیا ہوتی ہے، جو وہ کسی پر ظلم کرے، پھر بھی سب جانتے ہیں کہ بچہ اپنے محدود دائرہ اور ماحول میں اپنی کمزوری اور بے بسی کے باوجود بہت کچھ ظلم کر لیتا ہے، بچہ کے اندر بھی ایک خودی اور انانیت ہوتی ہے، یہ بچہ کی شخصیت کا اظہار ہے اور زندگی اور ذہانت کی علامت، اس انانیت سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے اور اس کو جا و بیجا استعمال کرتا ہے، اپنے ہمجولیوں پر زیادتی کرتا ہے، نوکروں پر ظلم کرتا ہے، کسی کی توہین کرتا ہے، کسی کا مذاق اڑاتا ہے۔

والدہ صاحبہ نے اس کا بڑا اہتمام کیا کہ اگر میں کسی پر ظلم کروں، یا دل دکھاؤں تو اس سے معافی مانگوں، اگر گھر میں کھانا پکانے والی کے لڑکے کو مارتا، یا کسی کی توہین کرتا، یا کسی کو ذلیل سمجھ کر کوئی سلوک کرتا تو وہ مجھے سزا بھی دیتیں، اور مجھے اس سے معافی مانگنے پر مجبور کرتیں۔ اکثر یہ سزا صرف معافی مانگنے ہی کی صورت میں ہوتی، بچہ کی "انانیت" پر یہ بڑی ضرب ہے، اور اس کے لئے بڑی گوشمالی، مجھے یاد نہیں کہ ایک واقعہ بھی ایسا گزرا ہو کہ والدہ صاحبہ کے علم میں میری کوئی زیادتی آئی ہو یا توہین اور دل دکھانے کا کوئی واقعہ پیش آیا ہو، اور انھوں نے مجھے یہ سزا نہ دی ہو اور مجھے "فریق ثانی" کو راضی کرنے اور معاف کرانے پر اصرار نہ کیا ہو۔

اس تربیت کا نتیجہ یہ ہے کہ ہزار کوتاہیوں اور کمزوریوں کے باوجود اب بھی "دل آزاری" اور توہین و تحقیر کو گناہ کبیرہ سمجھتا ہوں، اور حتی الامکان

اس سے بچنے کی کوشش کرتا ہوں، اور اگر کبھی نادانستہ یا بلا ارادہ ایسا قصور ہوجاتا ہے، تو جلد سے جلد اس کی تلافی کی کوشش کرتا ہوں اور معافی مانگتا ہوں

دوسری چیز جو مجھے خاص طور پر یاد آتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ مجھے اپنے خاندان کے بعض بزرگوں اور جلیل القدر ہستیوں کے نام اور کام سے واقف کراتی رہتیں، انکے نام بڑے عظمت سے لیتیں، اور ان کے حالات سناتیں، یہ شخصیتیں عموماً ہمارے خاندان کی وہ دینی شخصیتیں ہوتیں، جن کو دنیاوی جاہ وجلال اور کوئی خاص دولت و ثروت حاصل نہ تھی، مگر دینی اور علمی حیثیت سے ان کا نام اور کام بہت روشن تھا، وہ اس پر زور دیتیں، کہ اصل عزت اور باقی رہنے والی دولت یہی دین و علم کی دولت ہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ میرا دماغ اس وقت سے علم دین کی عظمت سے متاثر ہے، اور وہ اتنی جلد دنیاوی جاہ وجلال اور مال ومنال کا اثر قبول نہیں کرتا، جتنا اس زمانہ میں ہونا قدرتی بات ہے، میرے دل پر ابھی تک ان بزرگوں کے نام نقش ہیں، اور ان کی عظمت کا سکہ بیٹھا ہوا ہے، جن کا والدہ صاحبہ کثرت سے نام لیتیں، بعد میں، میں نے ان کے حالات پڑھ کر والدہ صاحبہ کی باتوں کی تصدیق کی۔ اور ان میں بعض کے حالات لکھے بھی، مگر ان کی بڑائی کا ابتدائی نقش اسی زمانہ کا ہے، اور ابھی تک کوئی نقش کو مٹا نہیں سکا۔

والدہ صاحبہ کو اللہ تعالیٰ نے دعا و مناجات کا وہ ذوق عطا فرمایا تھا

جو اس زمانہ کے خاص بزرگوں ہی میں دیکھنے میں آیا ہے۔ وہ اپنی اولاد کو بھی دعا کی تعلیم دیتیں، اور دعا کا شوق دلاتیں، چنانچہ ہم بھائی بہنوں کو انھوں نے بعض مختصر دعائیں یاد کرا رکھی تھیں، ان میں سے ایک دعا ابھی تک یاد ہے جو اس زمانہ میں وردِ زبان تھی، یاد آتا ہے کہ عرصہ تک اپنے مضامین کے اوپر بھی اسی کو لکھتے تھے، وہ دعا یہ ہے۔

اَللّٰھُمَّ اٰتِنِیْ اَفْضَلَ مَا تُؤْتِیْ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْنَ

اے اللہ، اپنے نیک بندوں کو جو افضل سے افضل چیز تو عطا فرماتا ہے وہ مجھے عطا فرما۔

یہ ہیں چند ابتدائی نقوش جو حافظہ پر زیادہ زور ڈالے بغیر ابھر آئے ہیں سمجھتا ہوں کہ بچوں کی تعلیم و تربیت میں ان سے بہت فائدہ اٹھایا جا سکتا ہے۔

تربیتی خطوط

میرے لکھنؤ کے قیام اور میری ابتدائی تعلیم کے زمانہ میں والدہ صاحبہ نے جو مجھے طویل اور مفصل خط لکھے ہیں، اور جن کا منتخب ذخیرہ میرے پاس بحمداللہ محفوظ ہے۔ وہ ان کے دلی جذبات کا آئینہ بلکہ ان کے کمالات اور خداداد صفات کا مرقع ہے جو ان کی زندگی کا اصل جوہر تھا۔

ان خطوط کو ان کے تربیتی افادیت کے پیش نظر شائع کیا جا رہا ہے۔

عزیزی علی سلمہٗ، دعا۔

تمہارا اب تک کوئی خط نہیں آیا، روز انتظار کرتی ہوں، مجبوراً آکر خود لکھتی ہوں جلد اپنی خیریت کی اطلاع دو۔

عبدالعلی[1] کے آنے سے اطمینان ضرور ہوا، مگر تمہارے خط سے تو اور تسکین ہوتی، عبدالعلی سے میں نے تمہاری دوبارہ طبیعت خراب ہونے کا ذکر کیا تو انھوں نے کہا

---

[1] ڈاکٹر حکیم مولانا سید عبدالعلیؒ سابق ناظم ندوۃ العلماء برادر اکبر مصنف ۱۲

کہ، علی کو اپنی صحت کا بالکل خیال نہیں۔ جو وقت تفریح کا ہے وہ پڑھنے میں گذارتے ہیں،، میں نے کہا، تم روکتے نہیں۔ کہا بہت کہہ چکے اور کہتے رہتے ہیں، مگر وہ نہیں خیال کرتے، اس سے سخت تشویش ہوئی، اول تو تمہاری بے خیالی اور ناتجربہ کاری اور پھر بے موقع محنت، جس سے اندیشہ ہو۔

علی، مجھے امید تھی کہ تم انگریزی کی طرف مائل نہ ہوگے، مگر خلاف امید تم کہنے میں آ گئے اور اتنی محنت گوارہ کرلی۔ خیر، بہتر، جو کچھ تم نے کیا، یہ بھی اس کی حکمت ہے بشرطیکہ استخارہ کرلیا ہو۔

مجھے تو انگریزی سے بالکل انسیت نہیں، بلکہ نفرت ہے، مگر تمہاری خوشی منظور ہے، علی، دنیا کی حالت نہایت خطرناک ہے، اس وقت عربی حاصل کرنے والوں کا عقیدہ ٹھیک نہیں تو انگریزی والوں سے کیا امید، بجز عبدالعلی اور طلحہ[1] کے تیسری مثال نہ پاؤ گے، علی، اگر لوگوں کا عقیدہ ہے کہ انگریزی والے مرتبے حاصل کر رہے ہیں کہ کوئی ڈپٹی ہوئے، اور کوئی جج، کم از کم وکیل اور بیرسٹر ہونا تو ضروری ہے، مگر میں بالکل اس کے خلاف ہوں، میں انگریزی والوں کو جاہل اور اس کے علم کو بے سود اور بالکل بیکار سمجھتی ہوں، خاص کر اس وقت میں، نہیں معلوم کیا ہو، اور کس علم کی ضرورت ہو، اس وقت میں البتہ ضرورت تھی۔

اس مرتبہ کو تو ہر کوئی حاصل کر سکتا ہے، یہ عام ہے، کون ایسا ہے جو محروم ہے

---

[1] مولانا سید طلحہ حسنی ایم۔ اے راقم سطور کے پھوپھا تھے اور عربی زبان و ادب کے زبردست عالم تھے،

وہ چیز حاصل کرنا چاہیئے جو اس وقت گراں ہے اور کوئی حاصل نہیں کرسکتا، جس کے دیکھنے کو آنکھیں ترس رہی ہیں اور سننے کو کان مشتاق ہیں، آرزو میں دل مٹ رہا ہے، مگر وہ خوبیاں نظر نہیں آتیں۔

افسوس ہم ایسے وقت میں ہوئے، علی، تم کسی کے کہنے میں نہ آؤ، اگر خدا کی رضامندی حاصل کرنا چاہتے ہو، اور میرے حقوق ادا کرنا چاہتے ہو تو ان سبھوں پر نظر کرو جنھوں نے علم دین حاصل کرنے میں عمر گذار دی۔ ان کے مرتبے کیا تھے، شاہ ولی اللہ صاحبؒ، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ مولوی ابراہیم[1] صاحبؒ اور تمہارے بزرگوں میں خواجہ احمد[2] صاحب اور مولوی محمد امین[3] صاحب

---

[1] اس سے مراد مولانا ابو محمد ابراہیم آروی، مشہور اہلحدیث عالم ہیں جو ہمارے نانا شاہ ضیاء النبی صاحبؒ کے مرید اور بڑے ربانی، حقانی عالم تھے، ان کا وعظ بڑا موثر اور رقت آمیز ہوتا تھا، ان کے ایک وعظ سے ہمارے خاندان کے نوجوانوں کی بڑی اصلاح ہوئی، اور ان کی کایا پلٹ گئی، ۶؍ ذی الحجہ ۱۳۱۹ھ کو مکہ معظمہ میں وفات پائی، اور جنت المعلیٰ میں مدفون ہوئے۔ ۱۲

[2] یعنی مولانا سید خواجہ احمد نصیر آبادی جو حضرت سید احمد شہیدؒ کے بیک واسطہ خلیفہ اور حضرت شاہ ضیاء النبیؒ اور مولانا سید فخر الدینؒ کے شیخ و مرشد تھے، توحید و سنت کی اشاعت اور اصلاح و تربیت میں ان کا پایہ بہت بلند تھا، ۱۲۸۹ھ میں انتقال ہوا۔

[3] مولانا سید محمد امین نصیر آبادی مراد ہیں، جن سے ضلع رائے بریلی، سلطانپور، (بقیہ صفحہ ۷۹ پر)

مرحوم جن کی زندگی اور موت قابل رشک ہوئی، کس شان وشوکت کے ساتھ دنیا برتی، اور کیسی کیسی خوبیوں کے ساتھ رحلت فرمائی۔

یہ مرتبے کیسے حاصل ہو سکتے ہیں، انگریزی مرتبے والے تمہارے خاندان میں بہت ہیں، اور ہوں گے، مگر اس مرتبے کا کوئی نہیں، اس وقت بہت ضرورت ہے، ان کو انگریزی سے کوئی انس نہ تھا، یہ انگریزی میں جاہل تھے، یہ مرتبہ کیوں حاصل ہوا۔

علی، اگر میرے سو اولادیں ہوتیں، تو سب کو میں یہی تعلیم دیتی، اب تم ہی ہو، اللہ تعالیٰ میری خوش نیتی کا پھل دے کہ سو کی خوبیاں تم سے حاصل ہوں، اور میں دارین میں سرخ رو اور نیک نام اور صاحب اولاد کہلاؤں، آمین ثم آمین۔

میں خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں کہ وہ تم میں ہمت اور شوق دے، اور خوبیاں حاصل کرنے کا اور تمام فرائض ادا کرنے کی توفیق دے، آمین۔

اس سے زیادہ مجھے کوئی خواہش نہیں، اللہ تعالیٰ تمہیں ان مرتبوں پر پہنچائے، اور ثابت قدم رکھے، آمین، علی، ایک نصیحت اور کرتی ہوں، بشرطیکہ تم عمل کرو، اپنے بزرگوں کی کتابیں کام میں لاؤ، اور احتیاط لازم رکھو، جو کتاب نہ ہو وہ عبد العلی کی رائے سے خریدو، باقی وہی کتابیں کافی ہیں، اسی میں تمہاری سعادتمندی

(بقیہ صفحہ گذشتہ) پرتاپگڈھ اور ان کے نواح میں بڑی اصلاح اور شرک وبدعت کی بیخ کنی ہوئی، انتقال ۱۳۴۹ھ میں ہوا۔ ۱۲

ظاہر ہوگی، اور کتابیں برباد نہ ہونگی، اور بزرگوں کو خوشی ہوگی، اس سعادت مندی کی مجھے بے حد خواہش ہے کہ تم ان کتابوں کی خدمت کرو، جو روپیہ خرچ کرو، انھیں ضرورتوں میں یا کھاؤ۔

قرض کبھی نہ لو، ہو تو خرچ کرو ورنہ صبر کرو، طالب علم یوں ہی علم حاصل کرتے ہیں، تمہارے بزرگوں نے بہت کچھ مصیبتیں جھیلی ہیں، اس وقت کی تکلیف باعثِ فخر سمجھو، جو ضرورت ہو ہمیں لکھو، میں جس طرح ممکن ہوگا، پورا کروں گی۔ خدا مالک ہے، مگر قرض نہ کرنا، یہ عادت ہلاک کرنے والی ہے۔ اگر وفائے وعدہ کرو تو کچھ حرج نہیں۔

صحابہؓ نے قرض لیا ہے، مگر ادا کر دیا ہے ہم کون چیز ہیں، علی، یہ بھی تمہاری سعادتمندی ہے کہ میری نصیحت پر عمل کرو،

حلوہ ابھی تیار نہیں ہو سکا۔ انشاء اللہ تعالیٰ موقع ملتے ہی تیار کر کے بھیجونگی اطمینان رکھو۔

بہت جلد خیریت سے اطلاع دو، اگر دیر کرو گے تو میں سمجھوں گی کہ میری نصیحت تمہیں ناگوار ہوئی۔ انشاء اللہ تعالیٰ رمضان شریف میں تم سے وعظ کہلاؤں گی، اللہ تعالیٰ میری خواہش سے زیادہ تمہیں توفیق دے کہنے کی، اور تمہارا کلام پُر اثر اور خدا کی خوشی و رضامندی کے قابل ہو، آمین۔ اَللّٰھُمَّ اٰتِنِی اَفْضَلَ مَا تُوْتِیْ عِبَادَکَ الصَّالِحِیْن، باقی خیریت ہے، تم خدا کی رحمت

سے تیار رہو، تم نے وعدہ بھی کیا ہے۔

تمہاری والدہ

نورچشم علی سلمہٗ

دعا اور بہت دعا، تمہارا خط سخت انتظار اور متواتر خطوط بھیجنے کے بعد ملا، بیحد خوشی اور اطمینان حاصل ہوا۔ مگر جو تم نے سندھ جانے کا ارادہ ظاہر کیا ہے اس سے فکر ضرور پیدا ہو گئی ہے، نہیں معلوم وہ کدھر ہے اور وہاں کے حالات کیا ہیں، اور کتنے روز رہنا ہوگا، اگر عبید[۱] اور طلحہ[۲] کی رائے ہو، تو مناسب ہے، مگر تم کل حالات سے اطلاع دو تو بہتر ہے کہ اطمینان ہو جائے، اللہ تعالیٰ تمہیں پوری کامیابی عطا کرے، بس یہی آرزو ہے، یہی وجہ تھی کہ جو اس دور دراز سفر کے لئے گوارہ کر لیا، ورنہ ایسے دل والوں کے لئے سخت دشوار اور ناممکن تھا منظور کرنا تمہیں اس کی حفاظت میں دے چکی، وہ بڑا خوب حفاظت کرنے اور ساتھ دینے والا ہے، میں کیا کر سکتی ہوں، اوندھی کھوپڑی کی۔

ترے محفوظ کو کوئی ضرر پہونچا نہیں سکتا
عناصر چھو نہیں سکتے، فلک دھمکا نہیں سکتا

بس یہ کہہ کر دل کو سمجھا لیتی ہوں، مگر پورا یقین ہے اس کی رحمت پر، اللہ تعالیٰ

۱ے ڈاکٹر سید عبد العلیؒ ۱۲ ۲ے مولانا سید طلحہ حسنیؒ ۱۲

سے ہر وقت دعا ہے کہ وہ تمہیں توفیق دے نیک کاموں کی، اور علوم دین کے پورے مرتبہ پر پہونچائے، اور ثابت قدم رکھے کہ دنیا اور آخرت میں نیک نام ہو، آمین

میری دلی تمنا ہے کہ دونوں جہاں کی خوبیاں تمہیں حاصل ہوں، اور تم قابل رشک ہو جاؤ، اور میں اپنی کوششوں میں کامیاب ہوں، آمین، یہ سب سفر مبارک ہوں، آمین، اللہ تعالیٰ تم سے وہ کام کروائے جو تمہاری فلاح، بہبودی، میرے آرام و راحت اور خدا کی رضامندی اور خوشی کا باعث ہو، آمین، تم اپنی خیریت سے جلد اطلاع دیتے رہو، جہاں بھی ہو، وہ مالک ہے، ہم پر رحم کریگا، اور جو کچھ فیض حاصل ہو، مجھے اطلاع دو۔ ———— دعا۔

تمہاری والدہ

نور چشم لخت جگر علی سلمہ

دعا با۔ تمہارے دو خط آئے مفصل جس سے اطمینان ہوا۔ اس سے بے حد خوشی ہوئی کہ مولانا احمد علی صاحب کے صاحبزادہ بھی تمہارے ساتھ ہیں، دیکھیں کب تک رہنا ہو، اللہ تعالیٰ جلد کامیاب کرے، آمین۔

خاص وقتوں میں میری یہ دعا ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں وہ علم دے، جو صحابہ کرامؓ نے حاصل کیا، جس سے ایمان کو قوت ہو، اور تمام جھگڑے پاک ہوں، اور اس وقت کے فتنوں سے نجات ہو جائے، اور پورا پورا اطمینان ہو۔

میں کہہ نہیں سکتی جو میری خواہش ہے، اور جس کے لئے مجھے علم دین حاصل کرنے کی خواہش ہوئی، اللہ تعالیٰ میری آرزو پوری کرے، اور دنیا و آخرت میں مجھے سرخرو اور نیک نام کرے، آمین، تم یوں ہی برابر خط لکھتے رہو تو خدا کا شکر کروں گی۔ ان دنوں ابوالخیر[1] وعظ کہتے ہیں ہر جمعہ کو، میدان پور میں بھی ہوتا ہے، خدا کرے تم لوگوں سے اسلام پھیلے اور کفر گھٹے، آمین، اللہ تعالیٰ تم لوگوں کو ثابت قدم رکھے، پانچ روپیہ عبدو کو دے دیئے ہیں، پھر انشاء اللہ ملنے پر بھیجوں گی۔ ماموں[2] صاحب، ماموں جی کو سلام لکھو تو بھائی جی یعنی اپنے اباجی[3] کو بھی لکھا کرو، محمود، محمد ثانی سلمہا پڑھتے ہیں خدا کرے کہ وہ اس قابل ہو جائیں کہ ان سے راحت ہو۔

والسلام

تمہاری والدہ

نور چشم لخت جگر، نور بصر علی سلمہٗ طولعمرہ

دعاہا۔

خدا پر بھروسہ ہے، وہ تمہارا حافظ و ناصر ہے، تم خط برابر لکھتے رہو، تو مجھے تسکین رہے گی، دیکھو ہمت سے زیادہ محنت نہ کرنا، اس موسم میں زیادہ محنت

۱؎ مولانا سید ابوالخیر برق حسنی ۲؎ مولانا سید عبیداللہ حسنی ۳؎ مولوی سید احمد سعید صاحبزادگان حضرت شاہ مولانا ضیاء النبی ۴؎ مولانا سید خلیل الدین ابن مولوی رشید الدین ابن مولوی سید سعید الدین مرید سعید حضرت امیرالمومنین سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ۔ ۱۲

دماغ قبول نہیں کر سکتا۔ دل و دماغ کی صحت ضروری ہے، اس کا زیادہ خیال رکھو جہاں تک ممکن ہو ایک ماہ کی محنت ایک دن میں نہ کرنا، اگر تم اس قدر محنت کروگے تو پھر دنیا کیسے برتوگے، دنیا بھی برتنا عبادت ہے، ہمدردی اور حق پرستی یہ تمام باتیں خدا اور رسولؐ کی خوشنودی کی ہیں، پھر تمام اعزّہ اس کے منتظر رہتے ہیں، خاص کر تمہاری طرف سے بہت کچھ امیدیں ہیں، مجھے خواہش ہے کہ تم علم مغرب والوں سے مرتبہ میں زیادہ ہو لیکن علوم دین کی طرف اعتراض کا موقع نہ ملے۔ اللہ تعالیٰ سے ہر وقت دعا ہے کہ تمہیں وہ خوبیاں حاصل ہوں کہ تمام وہ خوبیاں جن پر سب کو فخر ہے، ہیچ ہو جائیں، اور علوم دین کے سب شائق ہوں، اللہ تعالیٰ میری آرزو پوری کرے، آمین،

تم خط جلد جلد لکھتے رہو، ورنہ مجھے بے حد تکلیف ہوگی، عبدو تمہارے طرز عمل سے بے حد خوش ہوئے، مجھے لکھا تھا، یہ پہلا خط تھا جس سے یہ مبارک الفاظ ظاہر ہوئے، مجھے بے حد تمنا تھی کہ عبدو کی زبان سے سنوں، خدا کا شکر ہے کہ یہ خواہش پوری ہوئی، یہ تمنا ہے کہ ہر زبان پر تمہاری نیک نامی اور کامیابی ہو، آمین، اللہ تعالیٰ تمہارے نیک ارادے پورے کرے، اور تمہیں ثابت قدم رکھے، اور ان کے راستے پر چلا دے جن پر انعام کیا ہے، اور تمہارے عمل کو قبول کرے، آمین

تمہاری

والدہ

عزیزی علی سلمۂ، دعا ہا۔

تمہارا کارڈ پہونچا، یہ معلوم کرکے بے حد خوشی ہوئی کہ تمہارے پرچے اچھے گذرے، اور اس مرتبہ پرچوں میں خطرہ تھا، خدا سے ہر وقت دعا کرتی ہوں، اس کی رحمت کا انتظار کرو، جب اس کی رحمت سے نتیجہ ظاہر ہوجائے تو انشاءاللہ خوش ہوکر آنا، اور جب تک نتیجہ نہ معلوم ہو، روز صبح کو سنت اور فرض کے درمیان خشوع وخضوع کے ساتھ سورۂ فاتحہ اکتالیس بار پڑھتے رہو، اور اول وآخر گیارہ گیارہ بار درود شریف، یہ بہت مجرب ہے اور پھر فرض پڑھ کر فاتحہ ایک بار اور الم نشرح تین بار انا انزلناہ گیارہ بار پڑھ لیا کرو، اول آخر درود جس قدر ممکن ہو تو دونوں وقت پڑھو، اور خدا پر بھروسہ رکھو، یہ مناجات تمہارے لئے میں نے خدا سے کی ہے، خدا کرے مقبول ہو۔ آمین۔

سدا سے ترے مجھ پر انعام ہیں
ہیں انعام بھی اور اکرام ہیں

جو مانگا دیا، اور دیا بے طلب
پھری ہیں ترے در سے محروم کب

تھی جو کچھ مجھے فکر سب دور کی
میں لائی جو حاجت وہ منظور کی

ترے فضل کی کچھ نہیں انتہا
جو آیا ترے در پہ وہ خوش ہوا

تری شان رحمت سے ہے یہ بعید
پھرے در سے تیرے کوئی ناامید

کرم کر مرے حال پر بھی کریم
کہ ہے نام تیرا غفور و رحیم

مری سعی وکوشش نہ برباد کر
ترے در پہ آئی ہوں امداد کر

دعا جلد میری یہ ہو مستجاب — علی ہو ترے فضل سے کامیاب
وہ ہو کامیابی جو ہو باسند — ہو ایسی سند جو کہ ہو مستند
نہ ہو فکر کوئی نہ رنج و تعب — تمنائیں برآئیں میری یہ سب
خطاؤں پر ان کے نہ کر تو نظر — یہ بندے ہیں تیرے تو ہی رحم کر
جہاں میں سدا دونوں[1] پھولیں پھلیں — سدا یہ شریعت پہ قائم رہیں
یہ سب بہن بھائی رہیں شاد کام — جہاں میں ہو اقبال ان کا غلام
خزاں میں جو ہے آج فصلِ بہار — یہ سب فضل تیرا ہے پروردگار

یہ فصلِ بہاری رہے تا حیات
ہو بہتر کی بہتر حیات اور ممات

تمہاری والدہ

عزیزی علی سلمہٗ۔

دعا ہا۔ تمہارا خط آیا۔ میں بالکل انتظار کر کے تھک کر بیٹھ گئی تھی، ویسے ہی تمہارا خط ملا۔ بے حد خوشی ہوئی، علی، مجھے خدا کی رحمت سے یہ امید قوی ہے کہ تم کسی کے کوئی مرتبے اور کامیابی کا اثر نہ لوگے، کیونکہ یہ عام ہے اور فنا ہونیوالی،

---

[1] ڈاکٹر مولانا سید عبد العلی حسنیؒ، ابوالحسن علی ندوی، سیدہ امۃ العزیز صاحبہ اور سیدہ امۃ اللہ تسنیمؒ ہمشیران ہر دو برادران۔ ۱۲

قابلِ رشک وہ ہے جو ہزاروں میں ایک کو ملے، اور پھر خدا کی طرف سے ہو ؎

قسمت کیا ہر شخص کو قسامِ ازل نے
جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

تمہیں اس پر فخر کرنا چاہیئے، نہایت ہمت اور قوت سے کرنا چاہیئے، خدا سے دعا کرتی ہوں کہ تمہیں اس سے دل جسپی پیدا کرتا رہے کہ تمام خوبیوں پر ترجیح دیتے رہو، اگر تمہیں تحصیلی یا اور کوئی مرتبہ حاصل ہوتا جو عام ہے تو مجھے اس کے ساتھ ہزار خطرے پیش نظر رہتے، اس نے مجھے تمام برائیوں سے محفوظ رہنے کے لئے ایسی بہتر صورت پسند کی، وہ خود حافظ اور نگہبان ہوگا، میری فکر کی کوئی ضرورت نہ تھی، بجائے فکر کے میرے دل کو ہر وقت وہ خوشی حاصل ہوتی ہے، جو کسی ذی مرتبہ کو حاصل نہیں، تم جس قدر فخر کرو کم ہے۔

تمہاری والدہ

عزیزی علی سلمہٗ۔

دعا ہا۔

تمہارا خط ملا، اطمینان اور خوشی ہوئی کہ تمہیں ناشتہ وغیرہ سے آرام ہے، ندوہ میں زیادہ رہنے کے عہد و خلاف تو نہیں، اگر وہ اس کے مخالف نہیں تو بہتر ہے، تم خود سمجھ سکتے ہو، تبلیغ میں کوشش کرتے رہو کہ ترقی ہو۔

ابتدا میں جو جوش اور شوق تھا تمہیں اور عبدو کو بھی اس میں کچھ کمی معلوم ہوتی ہے، یہ ضرور ہے کہ ابتدائی حالت نہیں رہ سکتی مگر سلسلہ جاری رہے۔ شوق بھی بڑھتا رہے گا۔ اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ تم سے وہ کام کروائے، جو اپنے نیک اور مقبول بندوں سے کروائے ہیں، اور تکبر و غرور اور ریا سے بچائے اور تمہاری ترقی و کامیابی قابل رشک ہو۔ آمین۔

اللہ تعالیٰ میری سب دعائیں قبول کرے۔ آمین۔

تمہاری والدہ

نومبر ۱۳۷۶ھ